بیادگار: شریف الامت حضرت مولانا الحاج قاری شریف احمد صاحبؒ بانی جامعہ ہذا

جلد: ۲
شمارہ: ۱

ربیع الثانی ۱۴۳۹ھ
مطابق
جنوری ۲۰۱۸ء

ماہنامہ صدائے حق گنگوہ

مجلس سرپرستان

شیخ طریقت حضرت مولانا شاہ محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم
حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ مہتمم ندوۃ العلماء لکھنؤ

مدیر مسئول

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی مدظلہم شیخ الحدیث وناظم جامعہ ہذا

معاون مدیر
عبدالواجد الندوی
9412508475

مدیر انتظامی
مولانا قاری عبید الرحمٰن صاحب قاسمی

مدیر تحریر
محمد ساجد کھجناوری
09761645908

مجلس مشاورت

حضرت مولانا وسیم احمد صاحب مدظلہ شیخ الحدیث جامعہ ہذا
حضرت مولانا محمد سلمان صاحب مدظلہ استاذ حدیث جامعہ ہذا

زرتعاون

فی شمارہ	۳۰ روپے
سالانہ	۳۰۰ روپے
بیرون ملک	۱۵ امریکی ڈالر
سارک ممالک	۴۰۰ روپے
لائف ممبر	۵۰۰۰ روپے

خط وکتابت و ترسیل زر کا پتہ

ماہنامہ صدائے حق جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ضلع سہارنپور (یوپی) انڈیا

MAHNAMA SADA-E-HAQ GANGOH
JAMIA ASHRAFUL ULOOM RASHEEDI, GANGOH
Distt. Saharanpur (U.P.) India, Pin 247341
E mail : sajidkhujnawari@gmail.com-sadaehaque313@gmail.com

آئینۂ مضامین

کالم	عناوین	مضمون نگار	صفحہ
اداریہ	امریکہ کی تازہ شرارت	محمد ساجد کھجناوری	۳
	بیت المقدس ملت اسلامیہ کا......	مولانا عبدالواجد ندوی	۶
	توحید کا باغ	مولانا مرغوب الحق گنگوہی	۹
افادات	باب النهي عن استقبال القبلة	حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی	۱۴
	دعاؤں کا سہارا	مولانا مفتی محمد احسان رشیدی	۱۹
	پیغمبرِ اسلام بحیثیت رحمت ورأفت	مولانا عبدالواجد ندوی	۲۲
	حضرت زید ابن حارثہؓ	مولانا محمد صابر قاسمی	۲۶
	حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؒ	حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی	۲۹
	صالح انقلاب کی ضرورت	مولانا بلال اشرف رشیدی	۳۶
خطبات	دو خوف	حضرت شیخ محمد آصف حسین فاروقی	۳۹
بزمِ رفتگاں	مولانا مفتی عبداللہ پھول پوریؒ	مفتی محمد ساجد کھجناوری	۴۳
ڈائری	جامعہ اشرف العلوم رشیدی کی ڈائری	ابوفیصل کھجناوری	۴۵
جہانِ کتب	تصنیفات وتالیفات	حضرت ناظم صاحب دامت برکاتہم	۴۸

پرنٹر وپبلیشر مدیر (مولانا) خالد سیف اللہ (صاحب) نے ڈوٹ لائن پریس سہارنپور سے طبع کراکر دفتر ''صدائے حق''
جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ سے شائع کیا۔ (کمپیوٹر کمپوزنگ) محمد دلشاد رشیدی موبائل:9358199948=8923539399

اداریہ

بیت المقدس کے خلاف امریکہ کی تازہ شرارت

محمد ساجد کھجناوری

ابھی ۶ر دسمبر ۲۰۱۷ء کو امریکا کے جنونی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے حسب سابق عالمی قوانین کی کھلم کھلا خلاف ورزی کرتے ہوئے خباثت پر مبنی یہ اعلان کیا ہے کہ اب اسرائیل کا دارالخلافہ تل ابیب کے بجائے یروشلم (القدس) ہوگا، بالفاظ دیگر انہوں نے عالم اسلام کو یہ پیغام سنادیا ہے کہ وہ قبلۂ اول کے اپنے جائز مالکانہ حق سے دستکش ہوجائیں، کیونکہ اب وہ نہایت بے غیرتی و بے شرمی کے ساتھ اپنی ناجائز اولاد اسرائیل کے آدھے ادھورے خوابوں کی تکمیل کرنا چاہتا ہے۔

ہٹ دھرم امریکا کے اس ناقابل قبول اعلان کے بعد پورا عالم اسلام شدید غم وغصہ کی کیفیات سے دوچار ہے، عالم عرب، مشرق وسطیٰ اور بلاد اسلامیہ سمیت دیگر جمہوری ریاستوں میں بھی ٹرمپ کے مذکورہ اعلان پر شدید نکتہ چینی کی جارہی ہے، متعدد ممالک کے سربراہان اوران کی اعلیٰ قیادت نے بھی مسٹر ٹرمپ کے اس اقدام کی شدید مذمت کرتے ہوئے اسے غیر آئینی قرار دیا ہے، حتیٰ کہ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے بھی اسے غیر قانونی بتایا ہے، قاہرہ میں عرب لیگ کے دفتر نے کہا ہے کہ امریکہ یروشلم کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنے والا اپنا فیصلہ فوراً منسوخ کرے، عرب ممالک کے ۲۲ر وزرائے خارجہ کے ایک ہنگامی اجلاس کے بعد اس موقعہ پر جاری کئے گئے اعلامیہ میں کہا گیا کہ امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ کی جانب سے بدھ یعنی ۶ر دسمبر کو کیا گیا اعلان عالمی قوانین کی خطرناک خلاف ورزی ہے، جس کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے، اس لئے کہ خود اقوام متحدہ کی مختلف قراردادوں کے مطابق یروشلم مقبوضہ فلسطین ہے جس کے انخلا کیلئے اسرائیل کو بارہا پابند کیا گیا ہے۔

دراصل بیت المقدس سے مسلمانوں کا عقیدت وروحانیت کا اٹوٹ رشتہ ہے، وہ پہلے دن سے اس کی عظمتوں کا طواف کرتے آئے ہیں، انہوں نے اپنی جانوں سے زیادہ اس کے تقدس کو ترجیح دی ہے، یہ مسلمانوں کا قبلہ اول رہا ہے، کل عالم کے مسلمانوں نے ایک مخصوص زمانہ تک اس کی طرف رخ کرکے اپنے مالک ومعبود سے مستجاب سرگوشیاں کی ہیں، گردش شام وسحر کے ساتھ یہاں بھی فتح وشکست کے معرکے قائم ہوئے، اقتدار کے پجاریوں نے

اس مقدس سرزمین کے سینہ پر چڑھائیاں کیں اور اس کے حقیقی وارثین مسلمان مکینوں کو تختۂ مشق بنایا، انہیں اپنے وطن سے نکالا، طرح طرح سے انہیں ستایا گیا، مگر ان کے قلب ودماغ سے قبلہ اول کی محبت کی چنگاریاں کبھی ماند نہیں پڑی، آج اگر پورا عالم اسلام امریکی صدر کی بکواس ومنفی پالیسی اپنانے پر سراپا احتجاج ہے تو اس میں حیرت واستعجاب کا نہ کوئی پہلو اور نہ امکان، ایک پکا سچا مؤمن بھلا اپنے ان روحانی مراکز سے کیوں کر آنکھیں موند سکتا ہے، جبکہ اس کے ایمان وعمل کی کیاری کو یہیں سے شادابی میسر آتی ہے، وہ حرمین شریفین کے بعد سب سے محترم وبابرکت آج بھی اسی بقعہ نور کو سمجھتا ہے جہاں امریکہ اپنے حلیف اسرائیل کو مستحکم کرنے کی مذموم کوشش کر رہا ہے۔

بیت المقدس سے اہل اسلام کی یہ دیرینہ وابستگی ہزاروں سال پر پھیلی ہوئی ہے، تاریخ کے جھروکوں سے دیکھیں تو یہ کرۂ ارض پر دوسرا سب سے پہلا خانۂ خدا ہے جو حق جل مجدہ کی تجلیات کا مظہر اور نزول رحمت کا مرکز قرار پایا، چنانچہ ایک روایت میں ہے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ روئے زمین پر سب سے پہلے کونسی مسجد بنائی گئی؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ مسجد حرام، انہوں نے سوال کیا کہ اس کے بعد؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسجد اقصیٰ، انہوں نے پھر پوچھا کہ ان دونوں مساجد کی تعمیر کے درمیان کتنا عرصہ تھا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس سال۔

یہی مسجد اقصیٰ مسلمانوں کا قبلۂ اول رہا ہے جس کا تذکرہ روایات میں خوب ملتا ہے، چنانچہ ایک صحابی حضرت براء ابن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سولہ یا سترہ مہینے بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی طرف منھ کر کے نماز پڑھی پھر ہمیں خانہ کعبہ کی طرف منھ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیدیا گیا، اتنا ہی نہیں بلکہ قرآن مقدس نے تو اس کے اطراف واکناف کو بھی مبارک قرار دیا ہے، ارشاد ربانی ہے، ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے کچھ حصہ میں مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی جس کا اردگرد بابرکت ہے'' ذرا سوچئے جب گرد ونواح کو بابرکت بتایا ہے تو خود مسجد اقصیٰ کی برکتوں کا کیا عالم ہوگا؟۔

الغرض بیت المقدس کے بے شمار فضائل وامتیازات ہیں یہاں حضرات انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا سفر یہیں سے فرمایا، یہیں پر نبیوں کی امامت کی سعادت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی، قیام قیامت کے بعد تمام انسانوں کو یہیں دوبارہ زندہ کر کے جمع کیا جائے گا، زبان نبوت نے دیگر

خصوصیات کا بھی تذکرہ فرمایا ہے، ماقبل میں بھی اشارۃ لکھا کہ تعمیر وتخریب کی داستان بار بار یہاں بھی دوہرائی گئی ہے، چنانچہ تاریخی اوراق شہادت دیتے ہیں کہ ۱۶ر ہجری یعنی شمسی اعتبار سے ۶۳۷ء سے ۱۹۱۷ء کے زمانی رقبہ پر نظر ڈالیں تو تقریبا ایک صدی کے علاوہ کل زمانہ اسلامی حکومت کے قیام سے ہی عبارت رہا ہے، اسی لئے یہاں کے مکین وباشندے بھی عام طور پر مسلمان ہی رہے، لیکن پہلی جنگ عظیم کا سانحہ اور خلافت عثمانیہ کا سقوط ہوا تو اسی کے ساتھ یہاں بھی برطانوی نظام حکومت کا بول بالا ہو گیا، اس طرح القدس کے ساتھ دوسرے فلسطینی علاقے بھی ان کے قبضے میں چلے گئے، بعد ازاں برطانوی حکومت کے مسلط ہونے کے بعد ایک منصوبہ بندی اور استعماری سازش کے تحت دنیا بھر کے مختلف علاقوں سے یہودیوں کو یہاں لاکر بسانے کی تحریک چھیڑ دی گئی اور دیکھتے ہی دیکھتے ۱۹۴۸ء میں ایک ایسی صیہونی ریاست کے قیام کو منظوری دیدی گئی جس کی پیدائش ہی کا کوئی جواز نہیں تھا، اس وقت اگرچہ بہت سے علاقے یہودی نظام حکومت کے تابع ہو گئے تھے مگر القدس شہر مسلمانوں ہی کے پاس محفوظ تھا، پھر ۱۹۶۷ء میں عرب اسرائیل جنگ ہوئی تو اسرائیل نے القدس شہر پر بھی غاصبانہ قبضہ کرلیا جس سے مسجد اقصیٰ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گئی اور اب وہاں کا مکمل انتظامی کنٹرول اسرائیل کے پاس ہے۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ صرف بچوں اور بوڑھوں کو ہی یہاں سجدہ ریز ہونے کی اجازت ہے جوانوں کی آمد قبلہ اول میں ممنوع ہے، اسرائیل کی ہٹ دھرمی بے شرمی اور تاناشاہی جگ ظاہر ہے وہ مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کا ارتکاب کرتا رہتا ہے ۲۰۰۱ء میں اس وقت کے وزیر اعظم ایریل شیرون نے خانۂ خدا کے ساتھ جس بے حرمتی کا مظاہرہ کیا تھا آج تک لوگ اسے بھولے نہیں ہیں، یہاں ایک طرف معصوم نہتے فلسطینی ہیں جو روڑے یا غلیل سے مقابلہ کرتے ہیں دوسری طرف اسرائیلی درندے ہوتے ہیں جنہیں مظلوموں اور معصوموں کی جان لینے کی مکمل آزادی دی گئی ہے، وہ کلاشنکوف، ٹینکوں، بکتر بند گاڑیوں مشین گنوں اور گولیوں سے مسلم مظاہرین پر تابڑتوڑ حملہ کرکے موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں، کئی دہائیوں سے ظلم وبربریت کی یہ داستان القدس شہر کے سینہ پر لکھی جارہی ہے، افسوس کہ صلح ومذاکرات کی تلقین کرنے والا اور مسئلہ فلسطین کے نام نہاد پُر امن منصفانہ حل پر زور دینے والا منافق امریکا دو قدم آگے بڑھ کر نہایت ڈھٹائی کے ساتھ اب غاصب اسرائیل کا دست وبازو اور ترجمان بن گیا ہے، فالی اللہ المشتکی۔

قرآنیات

بیت المقدس، ملتِ اسلامیہ کا دھڑکتا ہوا دِل

عبدالواحد رشیدیؔ ندویؔ خادم تدریس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

بیت المقدس جس کو اہلِ عرب القدس کے نام سے بھی موسوم کرتے ہیں آخر وہ ہے کیا؟ بیت المقدس دُنیا بھر میں بسنے والے ہزاہا ہزار، لاکھہا لاکھ، کروڑ ہا کروڑ، ار بہا ارب مسلمانوں کے دلوں کی دھڑکن ہی نہیں بلکہ مانندِ قلب وجگر ہے، پھر محض مسلمانوں ہی کے نہیں بلکہ عیسائیوں کے نزدیک بھی ایک قابل احترام مقام ہے، بیت المقدس وہ مقام ہے جسکو قرآن کریم نے المسجد الاقصیٰ کے نام سے موسوم کیا ہے، جسکے اردگرد کے بابرکت ہونے کی قرآن کریم نے ان الفاظ میں شہادت دی ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے: سُبْحَانَ الَّذِیۡ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلاً مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیۡ بَارَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (سورۂ بنی اسرائیل ۱) پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندہ محمد ﷺ کو ایک رات میں مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک سفر کرایا، جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں، تاکہ ہم اُسے اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا، دیکھنے والا ہے۔

بیت المقدس کے نام سے بخوبی معلوم ہو رہا ہے کہ وہ ایک پاکیزہ اور مقدس مقام ہے جو بہت سے حضرات انبیاء کرام ”علیہم الصلاۃ والتسلیم“، حضرات صحابۂ کرام ”رضوان اللہ علیہم اجمعین“ اور اولیاء عظام ”رحمہم اللہ“ کی آماجگاہ، اور خواب گاہ ہے، واقعۂ معراج کے موقعہ پر حضرت رسولِ کریم ﷺ کا وہاں پر تشریف لے جانا اور وہاں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی ملاقات فرمانا اور انکی امامت فرمانا، پھر وہاں سے حق جل مجدہ کی ملاقاتِ خاص کے لئے تشریف لے جانا یہ سب کچھ اسکی شرافت وکرامت اور بابرکت ہونے کی بین اور واضح دلیل ہے۔

بنی سرائیل کی تاریخ سے کون واقف نہیں ہے، انکی تاریخ بڑی سیاہ اور ظلمات سے لبریز ہے، ان پر اللہ تعالیٰ نے بے حد وحساب نعمتوں کے دروازے مفتوح فرمائے لیکن ان ظالموں نے ہمیشہ ناشکری اور نافرمانی کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا، مسلمانوں کے ساتھ انکی دُشمنی ہر زمانہ میں عروج پر رہی ہے، قرآنِ کریم اسکی وضاحت اس طرح کر رہا ہے: لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا الخ. قوم بنی اسرائیل بیت المقدس میں کنعان سے منتقل ہوئی اور یہاں پر رہتی رہی لیکن چونکہ انکی شرست میں فتنہ، فساد، بغض وعدوات اور اللہ پاک کی نافرمانی گویا کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی، ان لوگوں نے حضرات انبیاءؑ کے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ بھی انکی کتب اور قرآن کریم کے ذریعہ بالکل واضح ہو چکا ہے۔

تفسیر کی کتابوں میں بنی اسرائیل کو برباد کرنے والوں کے کئی نام لکھے ہیں (۱) بخت نصر (۲) جالوت (۳) خردوش (۴) سنجاریب، پھر ان میں پہلی بربادی کس کے ہاتھوں ہوئی اور دُوسری بار کس نے ہلاک کیا، اس میں بھی اختلاف ہے، صاحبِ معالم التنزیل علامہ بغویؒ بہت کچھ لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ پہلی بربادی بخت نصر اور اس کے لشکروں کے ذریعہ اور دُوسری بربادی خردوش اور اس کے لشکروں کے ذریعہ ہوئی، یہ دُوسری بربادی پہلی بربادی سے بڑی

تھی، اس کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت قائم نہ رہ سکی اور ان کے تمام علاقوں میں یونانیوں کی حکومت قائم ہوگئی، ہاں بنی اسرائیل تعداد میں زیادہ ہوگئے، ان کی حکومت تو نہ تھی البتہ بیت المقدس پر ان کی ریاست قائم تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اُنہیں بہت نعمتیں دی تھی، اُنہوں نے نعمتوں کو بدل دیا اور نئے نئے طریقے ایجاد کئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر طیطوس ابن السطیانوس رومی کو مسلط کر دیا جس نے ان کے شہروں کو ویران کیا اور اُنہیں ادھر ادھر بھگا دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان سے حکومت اور ریاست سب چھین لی اور ان پر ذلت چمٹا دی، اب ان میں کوئی باقی نہ رہا جو جزیہ نہ دیتا ہو اور ذلیل نہ ہو، اس کے بعد حضرت عمرؓ کی خلافت تک بیت المقدس ویران رہا پھر اسے مسلمانوں نے آباد کیا۔

حضرت قتادہ سے نقل کیا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر پہلی بار جالوت کو مسلط فرما دیا تھا، اس نے اُنہیں قید کیا اور قتل کیا اور برباد کیا، پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں اُنہیں قوت وطاقت عطا فرمادی جس کا ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ میں ذکر فرمایا ہے، پھر دُوسری بار جب شر وفساد میں منہمک ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر رحم فرمایا جس کا عَسىٰ رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ میں تذکرہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے پھر اُن پر رحمت فرمائی لیکن ان لوگوں نے برائی کو اختیار کیا اور نافرمانیوں میں لگ گئے اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنا عذاب بھیج دیا (یہ خاتم النبیین ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے کے واقعات ہیں) پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اہل عرب کو مسلط فرما دیا سورۂ انفال میں ارشاد ہے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (اور جب آپ کے رب نے یہ بات بتادی کہ وہ اُن پر قیامت تک ایسے لوگوں کو بھیجتا رہے گا جو اُنہیں بری تکلیف پہنچاتے رہیں گے) لہذا یہودی قیامت تک عذاب میں رہیں گے، اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ ہر دن رات اور ہر سال تکلیف ہی میں رہیں گے، مطلب یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً اُن پر دُشمن مسلط ہوتے رہیں گے، جرمنی میں نازیوں نے پچاس سال پہلے جو ان کا ناس کھود یا تھا وہ تو تاریخ داں جانتے ہی ہیں وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ میں بتایا کہ جو لوگ دو مرتبہ یہودیوں کو قتل کر دیں گے دونوں مرتبہ مسجد بیت المقدس میں داخل ہوں گے (چنانچہ ایسا ہی ہوا) وَلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا اس میں یہ بتایا ہے کہ وہ دوسری بار بھی بنی اسرائیل کی قوت وطاقت اور حکومت کو برباد کر کے چھوڑیں گے اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ قف وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط اور وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا میں یہ بتادیا کہ اچھے کام کرو گے تو اس کا اچھا پھل ملے گا اور سزا ملنے کے بعد پھر برے کاموں میں لگو گے تو پھر عذاب کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

صاحب بیان القرآن نے لکھا ہے کہ بنی اسرائیل پر جو پہلی بار تباہی آئی وہ حضرت موسیٰؑ کی شریعت کی مخالفت کی وجہ سے تھی اور دوسری بار حضرت عیسیٰؑ کی مخالفت کی وجہ سے تھی پھر جب خاتم النبیین ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہودیوں نے آپ ﷺ کی مخالفت کی آپ ﷺ کی نبوت ورسالت کا انکار کیا لہذا جلاوطن ہوئے اور ذلیل وخوار ہوئے، مسلمانوں کے لئے بنی اسرائیل اور دیگر اقوام ماضیہ کے احوال سراپا عبرت ہیں گذشتہ قوموں نے مدعی اسلام ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کیں ان پر عذاب آئے اور دشمنوں نے بھی ان پر حملے کئے اور تباہ وبرباد کیا، امت محمد ﷺ بھی تکوینی قوانین سے مستثنیٰ نہیں ہے ان کے ملک بھی چھینے جاتے رہے ہیں اور دشمنوں کے ہاتھوں تباہی آتی رہی ہے اسپین کا واقعہ تو سب کو معلوم ہی ہے بغداد کی تباہی بھی تاریخ میں مذکور ہے کئی سو سال کی حکومت جو ہندوستان میں قائم تھی اس کا بھی علم ہے

دوسرے برِ اعظم کی کافر قوم یعنی فرنگیوں نے آکر ہندوستان پر قبضہ کرلیا، لال قلعہ اور دہلی میں کیا ہوا بادشاہ کا کیا حال بنا جاننے والے اس کو جانتے ہیں، بادشاہ کو گرفتار کیا گیا اور رنگون میں لے جاکر بند کردیا گیا پھر وہیں اس کی موت ہوئی سب باتیں جانتے ہوئے مسلمان اب بھی ہوش میں نہیں، گناہوں میں اور رنگ رلیوں میں اوقات گذارتے ہیں، اصحاب اقتدار دشمنوں کے سایوں میں جیتے ہیں نہ دین قائم کرتے ہیں نہ دین قائم ہونے دیتے ہیں، ہدیٰ اللہ تعالیٰ جمیع المسلمین، آخر میں فرمایا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا (اور ہم نے جہنم کو کافروں کے لئے حصیر بنادیا) حصیر کا ترجمہ بعض حضرات نے سجین یعنی جیل خانہ کیا ہے، کیونکہ یہ حصر یحصر سے ماخوذ ہے جو روکنے کے معنیٰ میں آتا ہے اور حضرت حسن نے فرمایا کہ اس سے فراش یعنی بچھونا مراد ہے حصر چٹائی کو کہتے ہیں اسی نسبت سے انہوں نے اس کا یہ معنیٰ لیا ہے، آیت کریمہ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

یہ مقام ملت اسلامیہ کے لئے ہر زمانہ میں عبرت وموعظت کا سبب بنتا رہا ہے، بڑے عجیب وغریب نشیب فراز سے گذرتا رہا ہے، واضح رہے کہ بنی اسرائیل کے یہ واقعات قرآن کریم میں بیان کرنے اور مسلمانوں کو سنانے سے بظاہر مقصد یہی ہے کہ مسلمان بھی اس ضابطۂ الٰہیہ سے مستثنیٰ نہیں ہیں، دنیا ودین میں ان کی عزت وشوکت اور مال ودولت اطاعت خداوندی کے ساتھ وابستہ ہے، جب وہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت سے انحراف کریں گے تو ان کے دشمنوں اور کافروں کو ان پر غالب اور مسلط کردیا جائے گا، جن کے ہاتھوں ان کے معابد ومساجد کی بے حرمتی بھی ہوگی۔

آج کل جو حادثہ فاجعہ بیت المقدس پر یہودیوں کے ناپاک ارادوں (یعنی قبضہ کرنے کا اور القدس کو اسرائیل کا دارالسلطنت بنانے کا) اور پھر اس کو آگ لگانے کا سارے عالم اسلام کو پریشان کئے ہوئے ہے، حقیقت یہ ہے کہ یہ اسی قرآنی ارشاد کی تصدیق ہورہی ہے مسلمانوں نے خدا ورسول کو بھلایا آخرت سے غافل ہوکر دنیا کی شان وشوکت میں لگ گئے اور قرآن وسنت کے احکام سے بیگانہ ہوگئے تو وہی ضابطہ قدرت الٰہیہ سامنے آیا کہ کروڑوں عربوں پر چند لاکھ یہودی غالب آگئے، انہوں نے ان کی جان ومال کو بھی نقصان پہنچایا اور شریعت اسلامیہ کی رُو سے دُنیا کی تین عظیم الشان مسجدوں میں سے ایک جو تمام انبیاءؑ کا قبلہ رہا ہے وہ ان سے چھین لیا گیا اور ایک ایسی قوم غالب آگئی جو دُنیا میں سب سے زیادہ ذلیل وخوار سمجھی جاتی رہی ہے یعنی یہود، اس پر مزید یہ مشاہدہ ہے کہ وہ قوم نہ تعداد میں مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی حیثیت رکھتی ہے اور نہ مسلمانوں کے مجموعی موجودہ سامان حرب کے مقابلہ میں اس کی کوئی حیثیت ہے، اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ واقعہ یہود کو کوئی عزت کا مقام نہیں دیتا، البتہ مسلمانوں کے لئے ان کی سرکشی کی سزا ضرور ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ جو کچھ ہوا ہماری بداعمالیوں کی سزا کے طور پر ہوا اور اس کا علاج بجز اس کے کچھ نہیں کہ ہم پھر اپنی بداعمالیوں پر نادم ہوکر سچی توبہ کریں احکام الٰہیہ کی اطاعت میں لگ جائیں، سچے مسلمان بنیں غیروں کی نقالی اور غیروں پر اعتماد کے گناہ عظیم سے باز آجائیں تو حسب وعدۂ ربانی ان شاء اللہ تعالیٰ بیت المقدس اور فلسطین پھر ہمارے قبضہ میں آئے گا، مگر افسوس یہ ہے کہ آج کل کے عرب حکمراں اور وہاں کے عام مسلمان اب تک بھی اس حقیقت پر متنبہ نہیں ہوئے وہ اب بھی غیروں کی امداد پر سہارا لگائے ہوئے بیت المقدس کی واپسی کے پلان اور نقشے بنارہے ہیں جس کا بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا، فالی اللہ المشتکیٰ۔ (معارف ملخصاً)

قرآنیات

توحید کا باغ

''آیۃ الکرسی''

مرغوب الحق گنگوہی

آیۃُ الکُرسیّ قرآن کریم کی عظیم ترین آیت کریمہ ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس کی بڑی زبردست فضیلت وارد ہوئی ہے، اس آیتِ مقدسہ میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی توحیدِ ذات وصفات کو ایک عجیب وغریب انداز میں بیان کیا گیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ شانہ کا موجود ہونا، زندہ ہونا، سننے والا ہونا، دیکھنے والا ہونا، بولنے والا ہونا، واجب الوجود ہونا، ہمیشہ باقی رہنے والا ہونا، پوری کائنات کا ایجاد کرنے والا وار باقی رہنے اور رکھنے والا ہونا اور پیدا کرنے والا ہونا، ہر قسم کے تغیرات اور تأثرات وحوادث سے بالاتر ہونا، کائناتِ عالم پر قابض ومحیط ہونا عظمت وکبریائی والا ہونا، کہ اس ذات والاصفات کے سامنے بغیر اسکی اجازت کے کوئی جرأتِ تکلم نہیں کرسکتا، پھر ایسی قدرتِ عجیبہ وغریبہ سے متصف ہونا کہ تمام کائنات کے تمام اُمور ومعاملات اُنکی ذات کو ذرہ برابر تھکا نہیں سکتے، نہ سستی آسکتی ہے اور نہ نیند واُونگھ، نیز کوئی ذرہ بھی آپ (جل شانہ) کے احاطہ سے باہر نہیں، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ج لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ ط لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ ج وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ج وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ج وَلَا یَؤُدُہٗ حِفْظُھُمَا ج وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ (بقرہ/۲۵۵)۔

ترجمہ: اللہ وہ ذات ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں خدا تعالیٰ کی ذات خود بخود زندہ اور موجودہ ہے وہی ہر شئی کو قائم رکھنے والا ہے اس کو اونگھ اور نیند نہیں پکڑتی ہے، آسمان اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کی ملک ہے، کسی کی مجال نہیں ہے کہ بغیر اس کی اجازت کے کوئی سفارش کرسکے، وہ ہی مخلوقات کے تمام اگلے پچھلے احوال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے، تمام عقلاءِ عالم ملکر بھی معلومات خداوندی میں سے کسی ایک معمولی چیز کے علم اور ادراک کا بھی احاطہ نہیں کرسکتے مگر جتنی مقدار وہ تم کو علم دینا چاہے، اسکی کرسی تمام آسمانوں اور زمین کو گھیرے ہوئے ہے اور اپنے اندر سمائے ہوئے ہے، آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت ونگہبانی اس پر ذرہ برابر شاق اور گراں نہیں (اور کیسے اس پر گراں ہوسکتی ہے) وہ بڑا عالی شان اور بلند مرتبہ والا ہے۔

تشریح: اس آیت کو آیت الکرسی کہتے ہیں جس میں حق تعالیٰ شانہ کی توحیدِ ذاتی اور صفاتی کا ذکر ہے، توریت وانجیل اور کتب سابقہ کے دیکھنے والے خوب جانتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے ذاتی وصفاتی کمالات کا جس قدر اس میں بیان ہے ان کتابوں میں اس کا کوئی خاص حصہ نہیں ہے، سب سے پہلے توحید ذاتی کا بیان ہے۔

''اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ج'' ان کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے)، ''اَلْحَیُّ'' کمالاتِ وجود میں سب سے پہلا کمال

حیات ہے ''حَیٌّ'' لغت میں اس زندہ شئی کو کہتے ہیں کہ جو واقف ہو اور سنتا، دیکھتا اور قادر ہو، پس صفتِ حیات تمام صفاتِ کمال کا مبداء ہے (معارف القرآن ادریسی)۔

''اَلْقَیُّوْمُ'' یعنی کائنات کو قائم اور باقی رکھنے والا ''حَیٌّ'' سے خدا کا واجب الوجود ہونا بیان کیا اور قیوم سے واہب الوجود ہونا بیان کیا ہے، یعنی بذاتہ اور بنفسہ وہ واجب الوجود ہے اور دُوسروں کو وُجود وحیات ہبہ اور عطا کرنے والا ہے، ممکنات میں جو وُجود بھی ہے وہ اُسی واجبُ الوجود کا ہبہ اور عطیہ ہے، صفتِ حیات کا ذکر کرکے کمالِ وُجود کو بیان فرمایا، صفت ِقیومیت کا ذکر کرکے کمالِ ایجاد کو بیان فرمایا (معارف القرآن)۔

'' لَاتَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط'' اُس کو نہ اُونگھ پکڑتی ہے نہ نیند، اس سے حق تعالیٰ کا تغیرات اور حوادث اور خصائص ِممکنات سے پاک اور بری ہونا بیان فرمایا، یہ جملہ ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' تاکید ہے، کیونکہ اُونگھ اور نیند سے حیات میں نقصان آتا ہے، اس لئے کہ نیند موت کی بہن ہے۔ خدا تعالیٰ موت کے شائبہ سے بھی پاک اور منزہ ہیں، علاوہ ازیں جس کی حیات ناقص ہوگی، اس کی قیومیت یعنی حفاظت و نگرانی بھی ناقص اور کمزور ہوگی، لہذا '' لَاتَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ط'' کا مطلب یہ ہوا کہ وہ ایسا قیوم اور مدبر ہے کہ ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں ہوسکتا، وہ اپنی قیومیت میں سہو اور نسیان وسستی سے پاک اور منزہ ہے۔

''لَهٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِی الْاَرْضِ ط'' اس جملہ سے صفتِ مالکیت کو ثابت کرنا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمینوں کا مالک ہے، اس لئے کہ مالک حقیقی وہ ہے کہ جو وُجود عطا کرے، پس جس نے آسمانوں اور زمینوں کو وُجود عطا کیا اور جو ان کے وجود کو قائم رکھنے والا اور تھامنے والا ہے وہی اُن کا مالک حقیقی ہے، ''مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ '' اس جملہ سے اس کی مالکیت کے جلال اور کبریائی کو بیان کرنا مقصود ہے کہ اس کی بارگاہ عالی میں کسی کی مجال نہیں کہ بغیر اس کی اجازت کے لب کشائی کرسکے، کوئی سفارش نہیں کرسکتا، مگر جس کو اجازت دے دیں، وہی کرسکتا ہے، ''یَعْلَمُ مَابَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَاخَلْفَهُمْ'' اس جملہ میں اس کے علم محیط کو بیان فرمایا ہے کہ اس کا علم مخلوقات کے تمام احوال کو محیط ہے، کوئی شئی اس کے علم سے باہر نہیں۔

''وَلَایُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَاشَآءَ '' اس جملہ میں یہ بتلایا گیا کہ جس طرح مخلوقات کا وجود عطیہ خداوندی ہے، اسی طرح مخلوقات کا علم بھی عطیہ خداوندی ہے، بندے فقط اتنی مقدار جان سکتے ہیں جتنا وہ چاہے، بندے کا علم اس کی مشیت کے تابع ہے، بندہ کا علم نہایت ہی قلیل اور محدود ہے، '' وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ '' اس جملہ میں یہ بتایا ہے کہ حق تعالیٰ کی حاکمیت و مالکیت آسمانوں اور زمینوں کو شامل ہے، اس کی حاکمیت سے کوئی شئی خالی نہیں ہے، ''وَلَایَـُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ج'' اور اللہ تعالیٰ کو آسمانوں اور زمینوں کی حفاظت ذرّہ برابر گراں نہیں ہوتی، اس جملہ سے یہ بتلانا ہے کہ اس کی صفتِ قدرت اور قیومیت ضعف اور نقصان سے پاک اور منزہ ہے '' وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ'' اس جملہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علو و عظمت کو بیان فرمایا ہے۔

فضیلت آیۃ الکرسی وسورۂ بقرہ

مستدرک حاکم میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ **سورۃ البقرۃ فیھا ایۃ سید ای القرآن لا تقرأفی بیت فیه شیطان الاخرج منه وھی آیۃ الکرسی۔**

سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیاتِ قرآن کی سردار ہے وہ آیۃ الکرسی ہے، جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے، شیطان اس سے نکل جاتا ہے، صحیح مسلم وغیرہ میں اُبَی بن کعب سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ اے ابوالمنذر قرآن میں سب سے عظیم یعنی سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ میں نے کہا اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّاھُوَج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُج آنحضرت ﷺ نے میرے سینے پر ہاتھ مارا اور یہ فرمایا اے ابوالمنذر ! علم تمہیں مبارک ہو، اور اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ تمام آیتوں کی سردار اور سب سے بڑی آیت آیۃ الکرسی ہے (درمنثور رص ۳۲۵ ج ۱) اسی بناپر کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم ''اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّاھُوَج اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُج '' ہے اور عیسیٰ علیہ السلام جب مردوں کو زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو یاحی یاقیوم پڑھ کر دُعاء فرماتے، اور آصف بن برخیا نے جب بلقیس کے عرش کو لانے کا ارادہ کیا تو یاحی یاقیوم پڑھ کر دُعاء مانگی (تفسیر قرطبی رص ۲۶ ج ۳)۔

سیدالاولین والآخرین رسول پاک ﷺ نے بدر کے میدان میں عین قتال کے تحت حالات میں سجدہ میں سر رکھ کر جو دعا کی تھی اس میں بھی "یا حی یا قیوم" بکثرت پڑھا تھا، اس سے اس کی اہمیت وبرکت کا کسقدر راندازہ ہوتا ہے ''فتح الباری'' (رص: ۲۸۹ رج: ۷) میں لکھتے ہیں: **من حدیث علی قال قاتلت یوم بدر شیئاً من فقال ثم جئت فاذا رسول اللہ ﷺ یقول فی سجودہ یا حی یا قیوم فرجعت فقاتلت ثم جئت فوجدته کذلک** حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے بدر کے دن قتال کیا، کہتے ہیں کہ میں آیا اور دیکھتا کیا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ کی حالت میں یا حی یا قیوم پڑھ رہے تھے، پھر میں قتال کے لئے واپس چلا آیا تب بھی میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی حالت میں پایا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ آیۃ الکرسی سورۂ بقرہ کا قلب ہے اور اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ بمنزلۂ رُوح اور جان ہے اور باقی جسم اعضاء وجوارح کے مانند ہے۔

مزید فضیلت احادیث کی روشنی میں

(۱) لکل شئی سنام وان سنام القرآن سورۃ البقرۃ وفیھآ آیۃ ھی سیدۃ ای القرآن ایۃ الکرسی، روی عن ابی ھریرۃ ؓ ہر چیز کیلئے کوہان (بلند مرتبہ) ہے اور قرآن پاک کی کوہان سورۂ بقرہ ہے، اسمیں ایک آیت ہے آیۃ الکرسی جو تمام آیات قرآنیہ کی سردار ہے۔ **(۲) اعطیت ایۃ الکرسی من تحت العرش** (عن الحسن مرسلاً) مجھے عرش کے نیچے سے آیت الکرسی دی گئی ہے۔ **(۳) من قرأ ایۃ الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبۃ لم یمنع من دخول**

الجنة (عن ابی امامة)جس نے ہرفرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھی اس کو جنت میں داخل ہونے سے نہیں روکا جائے گا۔(۴) آیة الکرسی ربع القرآن، آیۃ الکرسی قرآن کا چوتھائی حصہ ہے۔(۵)اعظم آیة فی القرآن آیة الکرسی واعدل آیة فی القرآن (اِنَّ اللّٰهَ يَأۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ) الیٰ آخرها،واخوف آیة فی القرآن (فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ خَيۡرًا يَّرَهٗ وَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ) وارجی آیة القرآن (قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ) (سورۃ الزمر آیت ۵۳۔)عن ابن مسعودؓ، قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت (مرتبہ کے اعتبار سے) آیۃ الکرسی ہے اور قرآن پاک کی جس آیت میں عدل وانصاف کو بیان کیا گیا ہے وہ ہے اِنَّ اللّٰهَ يَأۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ (الآیة) بے شک اللہ تعالیٰ انصاف کرنے اور احسان کرنے کا حکم کرتا ہے اور قرآن پاک کی جس آیت میں خوف دلایا گیا وہ ہے فَمَنۡ يَّعۡمَلۡ مِثۡقَالَ ذَرَّةٍ (الأیة) پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی ہر ایک کو اپنے کئے ہوئے کا بدلہ ملے گا اور قرآن کی جس آیت میں اُمید کا تذکرہ ہے، وہ قُلۡ يٰعِبَادِىَ الَّذِيۡنَ (الأیة) ہے۔آپ کہہ دیجئے کہ اے میرے بندو جنہوں نے (کفر وشرک کر کے)اپنے اُوپر زیادتیاں کی ہیں تم اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو۔(۶) افضل سور القرآن البقرة وافضل آی القرآن آیة الکرسی (عن ربیعة الجرشی) قرآن پاک کی سب سے افضل سورت سورۂ بقرہ ہے اور سب سے افضل آیت آیۃ الکرسی ہے(۷) البقرة سنام القرآن وذروته ونزل مع کل آیة منها ثمانون ملکاًواستخرجت اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ من تحت العرش فوصلت بهاویٰسین قلب القرآن لایقرأبهارجل یرید الله والدار الآخرة الاغفرله واقرؤهاعلی موتاکم (عن معقل بن یسار) سورۂ بقرہ قرآن کریم کی کوہان اور اس کی بلندی ہے اور اس کی ہر آیت کے ساتھ اسّی فرشتے اُترتے ہیں اور عرش کے نیچے خزانہ سے "اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الۡحَىُّ الۡقَيُّوۡمُ" کو ظاہر کیا گیا ہے اور سورۂ یٰسین قرآن پاک کا دل ہے جو شخص اس کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کیلئے پڑھتا ہے وہ ضرور بخشا جائے گا اور اس سورۂ یٰسین کو اپنے مردوں پر پڑھو۔

(۸) لیس شیٔ اشدعلی مردة الجن من هؤلآء الآیات فی سورة البقرة والهکم الله واحدالأیه۔ سورۂ بقرہ کی آیت میں سے کوئی آیت سرکش شیطان پر اتنی زیادہ سخت نہیں جتنی سخت یہ آیت ہے وَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ الآیۃ۔

(۹)یا ابا المنذر اتدری ای آیة معک فی القرآن اعظم؟ قال آیة الکرسی قال لیهنک العلم یاابالمنذر فوالذی نفسی بیده ان لها لساناً یوم القیامة وشفتین (کعب وروی عن ابی الیٰ قوله یا ابا المنذر۔اے ابومنذر کیا آپ کو معلوم ہے کہ قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت (مرتبہ کے اعتبار سے) کونسی ہے؟ فرمایا کہ آیۃ الکرسی۔فرمایا کہ تم کو علم مبارک ہوا اے ابومنذر، قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اس آیت کی قیامت کے دن زبان ہوگی اور دو ہونٹ ہونگے۔

(۱۰)اعطیت آیةالکرسی من کنزتحت العرش ولم یؤتهانبی قبلی عن علیؓ مجھے آیۃ الکرسی دی گئی ہے جو عرش کے نیچے خزانوں میں سے ہے مجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دی گئی ہے۔(۱۱) من قرأ فی دبر کل صلاة

مکتوبة آیة الکرسی حفظ الیٰ الصلاۃ الاخریٰ ولا یحافظ علیھا الا نبی او صدیق او شھید (وضعفه عن انس ؓ) جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو وہ دوسری نماز تک محفوظ رہتا ہے اور اس کی مواظبت ومداومت صرف نبی، صدیق اور شہید کرتا ہے۔

(۱۲)من قرأ آیة الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبة کان فیه ذمة الله الی الصلاۃ الاخریٰ (عن الحسین بن علی عن علیؓ)۔ جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو وہ دُوسری نماز تک اللہ کے ذمہ میں ہوتا ہے۔

(۱۳)من قرأ آیة الکرسی دبر کل صلاۃ کان الذی یلی قبض روحه ذو الجلال والاکرام وکمن قاتل عن انبیاء الله ورسله حتی یستشھد (عن زید المروزی) ۔جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی تو ان لوگوں میں سے ہوگا جن کی رُوح اللہ تبارک وتعالیٰ نکالتے ہیں اور ایسا ہوگا جیسا کہ وہ شخص اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی طرف سے جہاد کرے، یہاں تک کہ شہید کردیا گیا ہو۔

(۱۴)من قرأ آیة الکرسی دبر کل صلاۃ مکتوبة کان لم یمنع من دخول الجنة الا الموت ومن قرأھا حین یاخذ مضجعه آمنه الله تعالیٰ علی دارہ ودار جارہ ودویراته (عن علیؓ) ۔جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی اس کو موت کے سوا کوئی چیز جنت میں داخل ہونے سے نہیں روکتی ہے، اور جس نے آیۃ الکرسی سونے کے وقت پڑھی تو وہ اور اس کا گھر اور اس کے پڑوسی کا گھر اور اس کے آس پاس کے گھر سب اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں ہوتے ہیں۔

(۱۵)من قرأ آیة الکرسی فی دبر کل صلاۃ مکتوبة لم یحل بینه وبین دخول الجنة الا الموت (عن ابی امامة)۔جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھی، اس کے درمیان اور دُخولِ جنت کے درمیان صرف موت ہی حائل ہوتی ہے۔

(۱۶)من قرأ آیة الکرسی وقل ھو الله احد دبر کل صلاۃ مکتوبة لم یمنعه من دخول الجنة الا الموت (عن ابی امامة) ۔جس نے ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور قل ھو الله احد کو پڑھا تو اس کو دُخولِ جنت سے صرف موت ہی روک سکتی ہے۔

کرسی سے کیا مراد ہے؟

علامہ ابن الجوزیؒ نے زاد المسیر ص ۲۵۱ ر میں تین اقوال بیان فرمائے ہیں: (۱) ''کرسی'' وہ ہے جو ساتوں آسمانوں کے اُوپر ہے جو تمام آسمانوں اور زمینوں پر حاوی ہے (۲) حسن بصریؒ کا قول ہے کہ کرسی ہی خود عرش ہے، صاحبِ رُوح المعانی نے سلف صالحین کی ایک بڑی جماعت کی طرف منسوب کرکے لکھا ہے کہ کلام میں تمثیل ہے، حقیقت میں کرسی مراد ہے اور نہ قاعد اور نہ قعود بلکہ عظمت باری تعالیٰ اور ان کی عظیم الشان قدرت وطاقت اور علم محیط کا اظہار ہے، اور بعض عارفین نے فرمایا ہے کہ ''کرسی'' اللہ پاک کی صفات فعلیہ......کی تجلیات کے اظہار سے کنایہ ہے جو کہ تمام آسمانوں اور زمینوں پر محیط ہے۔

افادات (شرح ترمذی سے ماخوذ)

باب النهي عن استقبال القبلة

[طلباء کے لئے]

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب نقشبندی
محدث وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

جوابات مخالفین

علامہ ابن قیمؒ نے کہا ہے کہ نہی کی احادیث صحیح ہیں اور بقیہ ساری روایات جونہی کے معارض ہیں معلول السند ہیں یا ضعیف ہیں (فتح الملہم ص۴۳۴ ج۱)۔

دوسرے قول کے قائلین کے پاس خلاصۃً دو روایات ہیں (۱) حدیث جابر (۲) حدیث عائشہؓ، حدیث جابرؓ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ مشہور نہیں ہے بلکہ ضعیف ہے اس لئے کہ اس کو روایت کرنے والے ابان بن صالح ہیں اور وہ مشہور نہیں ہیں مگر یہ جواب صحیح نہیں ہے، چونکہ امام بخاری وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے، لہذا ابن حزم کا جواب کمزور ہے دوسری بات یہ ہے کہ ابان بن صالح کی توثیق کی گئی ہے، چنانچہ یحی بن معین، ابوزرعہ، شیخ ابوحاتم اور یعقوب بن شعبہ، عجلیؒ نے فرمایا ہے کہ ابان بن صالح ثقہ ہیں، امام نسائی نے فرمایا کان ابان بن صالح حاکما بالمدینة ولیس به باس، جب اجلہ محدثین نے توثیق کردی تو اس سے زائد شہرت اور کیا ہوگی، علامہ عینیؒ شارح بخاری کے الفاظ یہ ہیں: حدیث جابر اخرجه ابو داؤد والترمذی وابن ماجة وابن خزیمة وابن حبان والحاکم، وزعم انه صحیحٌ علی شرط مسلم، وقال الترمذی حدیث حسن غریب، قلت قول الحاکم "صحیح علی شرط مسلم" غیر صحیح لان ابان رواه عن مجاهد عن جابر لم یخرج له مسلم شیئاً والحدیث حدیثه وعلیه یدور نعم صححه البخاریؒ فیما سأله الترمذی عنه فقال حدیث صحیح وذکره فی الخلافیات للبیهقی قلت قال ابن حزم ضعیف لانه رواه ابان بن

صالح وليس هو بالمشهور، قلت هذا مردود بتصحيح البخاری وغيره قال يحيیٰ وابوزرعة وابو حاتم ويعقوب ان ابان بن صالح ثقة الخ ۔

دوسرا جواب: بعض نے یہ دیا ہے کہ اس میں محمد بن اسحٰق ہیں جو مدلس ہیں، مگر یہ جواب بھی کمزور ہے، چونکہ محمد بن اسحاق کے بارے میں اقوال مختلف ہیں مگر اکثر نے توثیق کی ہے، اگر چہ بعض نے **دجال من الدجاجلة** بھی کہا ہے، یہ امام مالکؒ سے منقول ہے جو ایک معاصرانہ گفتگو ہے ایسی کچھ نامناسب انہوں نے کہی تھی جس کے جواب میں امام مالکؒ نے یہ فرمایا تھا۔

تیسرا جواب: یہ ہے کہ یہ فعلی روایت ہے اور نہی کہ روایات قولی ہیں، لہذا وہ راجح ہوں گی۔

چوتھا جواب: یہ ہے کہ نسخ کا دعوی غیر مسلّم ہے، چونکہ نسخ تو جمع وتطبیق کے تعذر کے وقت ہوا کرتا ہے اور یہاں تطبیق ممکن ہے، بایں طور کہ حدیث جابر عمران (آبادی) پر محمول کر لی جائے۔

پانچواں جواب یہ ہے کہ حدیث جابر خاص ہے عمران (آبادی) میں اور آپ کا دعوی عام ہے۔

دوسری حدیث حضرتِ عائشہؓ کی ہے اسکی بھی مختلف توجیہات صاحب المنہل نے رص: ۱۴۱ر پر ارشاد فرمائی ہیں، **واما حديث عائشة ضعيف كما علمت**، اس میں ایک راوی خالد بن ابی الصلت ہے وہ مجہول ہے، معلوم نہیں وہ کون ہے، **قاله العلام ابن حزم**ؒ، علامہ ذہبیؒ نے فرمایا **هذا الحديث منكر**، علامہ ابن قیم نے فرمایا تہذیب سنن ابی داؤد میں یہ حدیث صحیح نہیں ہے بلکہ یہ حضرتِ عائشہؓ پر موقوف ہے، اس کو امام ترمذیؒ نے امام بخاریؒ سے کتاب العلل میں نقل کیا ہے لہذا حدیث عائشہؓ لائق احتجاج نہیں ہے، عقلی اعتبار سے بھی یہ صحیح نہیں ہے چونکہ ایک چیز کی آپ نے صراحتہ ممانعت فرمائی ہے پھر اس کے خلاف کیسے کر سکتے ہیں، یہ تو کھلا تعارض ہے، سوال یہ ہے کہ پھر "**استقبلوا بمقعدتي القبلة**" کا کیا مطلب ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں بیت الخلاء مراد نہیں ہے بلکہ پُشت مراد ہے کہ آپ نے اس غلو کو ختم فرمایا جو بعض لوگوں کے ذہن میں تھا کہ وہ بیت الخلاء کے علاوہ یا دوسرے حالات میں بھی استدبار قبلہ نہیں کرتے تھے، آپ نے ان کی تردید فرمائی ہے، بیت الخلاء کو نہیں فرمایا ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے، علاوہ ازیں یہاں نشستگاہ مراد

ہے بیت الخلاء مراد نہیں ہے۔

تیسرا قول یہ تھا کہ ہے استقبال واستدبار صحراء میں حرام ہے اور آبادی میں حرمت نہیں ہے، یہ ائمہ ثلاثہؒ اور دیگر بہت سے حضرات کا مذہب ہے، حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ جمہورؒ کا قول ہے، ان حضرات کے دلائل دو قسم کے ہیں (۱) جابر، ابن عمر، عائشہؓ کی احادیث جن سے اباحت ثابت ہوتی ہے (۲) حضرتِ ابوایوب اور حضرت سلمان کی روایات جن سے ممانعت ثابت ہوتی ہے، تو ان اکابر نے یہ تطبیق دی ہے کہ ممانعت ونہی والی احادیث صحراء پر محمول ہیں اور اجازت والی احادیث آبادی پر محمول ہیں، علامہ ابن حجر نے اس کو اعدل الاقوال قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں جمع بین الاحادیث ہے، ان کی دلیل ابن عمرؓ کی حدیث **"رقیتُ یوماً علی بیت حفصة"** والی روایت ہے۔

اس روایت کے متعدد جوابات ہیں (۱) **حکایة فعل لاعموم لها** یہی علامہ شوکانیؒ نے کہا ہے (۲) یہ حدیث اتفاقی، فجائی تھی قصداً نہیں تھی اور من غیر قصدٍ میں غلطی کا امکان ہے، ممکن ہے کہ دیکھنے میں غلطی ہوگئی ہو (۳) اگر یہ فعل جائز ہوتا تو رسول کریم ﷺ عام طور پر اس کو کرکے بتاتے جبکہ آپ صاف اور عام ممانعت فرماتے تھے، مگر تنہائی میں یہ فعل ثابت ہے اس کو علامہ ابن دقیق العید نے لیا ہے (۴) اس میں آپ کی خصوصیت کا احتمال ہے، چونکہ رسول کریم ﷺ کا مقام بیت اللہ سے کم نہیں ہے بلکہ زائد ہے، پھر یہ صرف ایک واقعہ جزئیہ ہے، قانون کلی وہ ہے جو حضرتِ ابوایوبؓ کی حدیث شریف میں ہے اس کا کیا اعتبار ہے۔

خصائص میں سے ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے جس کو قاضی عیاضؒ نے "شفاء" میں سمہودی نے "الوفاء" میں اور علامہ سیوطی نے "خصائص کبریٰ" میں حضرت عائشہ سے نقل کیا ہے، فرماتی ہیں: **كان النبی ﷺ اذا دخل الغائط دخلت فی اثره فلاارای شئاً الاكنت اشم رائحة الطيب فذكرت ذلك له فقال اما علمت ان اجسادنا تنبت علی ارواح اهل الجنة فما خرج منها شئی ابتلعة الارض ای منه** فضلات نبی ﷺ کے بارے میں مسئلہ ہے کہ وہ بالکل طاہر ہیں، چنانچہ علماء کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصریح فرمائی ہے اور بہت سے طُرق سے جن کو ابن سعد نے، بیہقی نے، حاکم نے اور دار قطنی نے ذکر کیا ہے یہ چیز ثابت ہے، مقام رسول اللہ ﷺ اور آپ کی حقیقت کعبۃ اللہ کی حقیقت سے افضل ہے، یہ ایک تصوف کا نکتہ اور تکوینی شئی ہے، تشریع کے معاملہ میں سب برابر ہیں مگر یہ کہ صریح دلیل

خصائص میں سے ہونے کی وارد ہوئی ہے، نیز محرّم اور مثبت میں تعارض کے وقت احتیاطاً محرم کو ترجیح ہوا کرتی ہے، اس کو علامہ شامی وغیرہ نے لیا ہے، علامہ ابن عربیؒ نے فرمایا کہ ابن عمر کی روایت عادۃ پر محمول ہے اور ابوایوب والی تشریع پر لہذا وہ اولی ہے، مگر یہ شبہ سے خالی نہیں ہے کہ عادۃ تشریع کے خلاف مستقل طور پر کیسے ہوسکتی ہے؟ چوتھے جواب کے ذیل میں طہارت فضلات کو لیکر جواب دیا گیا ہے مگر اس میں ذرا سی تفصیل ہے، فضلات نبی پاک ہیں یا ناپاک دونوں قول ہیں مگر احناف کی تحقیق دقیق یہ ہے کہ امت کے حق میں طاہر اور آپ کے حق میں نجس ہونے چاہئیں لہذا جب آپ کے حق میں نجس ہوئے تو پھر استقبال کی ممانعت میں آپ بھی شامل ہوں گے (۵) لہذا یہ جواب صحیح نہیں ہے کہ ''لاتستقبلوا'' کی نہی میں آپ ﷺ شامل نہیں ہیں (۶) بعض نے کہا ہے کہ استقبال میں ممنوع خاص اعضاء ہیں، سینہ کرنا منع نہیں ہے، لہذا اگر کوئی (شرمگاہ) عندالبول منحرف کردے تو جائز ہے چاہے سینہ قبلہ کی طرف ہی رہے، امام محمدؒ نے جامع صغیر میں کہا ہے: ویکرہ الاستقبال بالفرج دیگر کتب سے بھی اس مضمون کی تائید ہوتی ہے (۷) علامہ ابن القیم نے زادالمعاد میں فرمایا ہے کہ یہ عذر کی وجہ سے تھا نیز یہ روایت خلاف قیاس ہے (۸) قیاس کا تقاضہ بھی یہی ہے کہ تعظیم قبلہ ہو ومن یعظم شعائر الله (الآیۃ) اور حدیث ابوایوب اس کی طرف مشیر ہے، اور مسند بزار میں امام مالک سے مروی ہے اذاتی احدکم فلیکرم قبلۃاللہ من تفل جاہ القبلۃ نسخ الخ اور حدیث لایبولن احدکم قبل القبلۃ دوسرا قیاس نماز ہے کہ اس میں حجابات وموانع کالعدم ہیں ایسے ہی یہاں بھی ہونے چاہئیں پھر ابوایوب کی روایت معلول السند ہے۔

تیسرا قول: بھی جو امام احمد اور امام اعظم کی روایت ہے اس لئے مردود ہے کہ استدبار کی ممانعت دوسری احادیث شریفہ میں وارد ہے لہذا اس زیادتی کا لینا بھی ضروری ہے ورد بان النهی عن الاستدبار ثابت فی الاحادیث الصحیحه وهو زیادة تعین الاخذبها (کذا فی المنہل ص:۴۱/ج:۱)۔

پانچواں قول: امام ابو یوسفؒ کا تھا، اس کا جواب یہ ہے کہ استقبال واستدبار کی ممانعت والی روایات علی السواء ثابت ہیں پھر یہ تخصیص بے فائدہ ہے (کذا فی المنہل ص۴۱)۔

چھٹے قول کا جواب جس میں قبلتین کی تعظیم کا مضمون ہے یہ ہے کہ وہ حدیث ضعیف ہے، اس لئے کہ اس میں ایک راوی مجہول ہے اور اگر اس کو صحیح تسلیم کرلیں تو پھر وہ اہل مدینہ ومن علی سمتھا کیلئے خاص ہے چونکہ بیت المقدس کا استقبال کعبۃ اللہ کے استدبار کو مستلزم ہے اس لئے ممانعت فرمائی گئی ہے، ورنہ اس کے استقبال کی ممانعت مقصود نہیں ہے، چنانچہ علامہ خطابی اور علامہ نووی نے عدم تحریم استقبال بیت المقدس پر اجماع نقل کیا ہے، جمہور کا خیال یہ ہے کہ قبلہ

ثانیہ بیت اللہ کیلئے ممانعت برائے تحریم ہے اور بیت المقدس کیلئے برائے تنزیہی ہے (کذا فی المنہل رص ۵۰رج ا)۔

ساتویں قول کی دلیل بھی بقول صاحب المنہل نہایت رکیک ہے اس لئے کہ "شـرقـوا اوغـربـوا" کی مراد استقبال قبلہ سے تحویل ہے اور اس کے استدبار کو منع کرنا ہے، اس میں اہل مدینہ وغیرہ کا کوئی فرق نہیں ہے (منہل ر۴۲) ان جملہ مذاہب میں حافظ ابن حجر نے ائمہ ثلاثہ کے مذہب کو ترجیح دی ہے اور اس کو اعدل الاقوال قرار دیا ہے، جبکہ دوسرے لوگوں نے انصاف سے کام لیا ہے، چنانچہ قاضی ابوبکر ابن العربیؒ نے ''عارضۃ الاحوذی'' میں لکھا ہے:

والمختار انه لايجوز الاستقبال والاستدبار فی الصحراء ولا فی البنيان لانا نظرنا الی المعانی فقد بينا ان الحرمة للقبلة ولا يختلف ذلک فی البادية ولا فی الصحراء اور اگر آثار کی طرف نظر کریں تو ابوایوب کی روایت عام ہے ہر جگہ میں جس میں علت احترام قبلہ مذکور ہے اور حدیث ابن عمر اور حدیث جابر چار وجوہ سے اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی (۱) حدیث ابی ایوب قولی روایت ہے اور یہ فعلی روایات میں ا **لمعارضة بين القول والفعل** (۲) فعل میں صرف حکایت حال ہے بخلاف اس کے وہ قانون عام ہے، نیز حکایات میں اعذار کا احتمال ہوا کرتا ہے اقوال میں اس کے احتمالات نہیں ہوا کرتے (۳) قول تشریع ہے اور دوسری روایات عادۃ پر محمول ہیں اور شرع عادت پر مقدم ہے (۴) اگر فعل تشریعی ہوتا تو اس کو چھپ کر نہ کرتے بلکہ عام طور پر فرماتے، یہ قاضی ابو بکر ابن عربی کی رائے ہے، آپ مالکی المسلک ہیں، مگر اس کے باوجود انہوں نے امام اعظمؒ کے مسلک کو لیا ہے (۲) علامہ ابن حزم الاندلسیؒ بڑے سخت قسم کے آدمی ہیں مگر اس باوجود اس مسئلہ میں احناف کے قول کو مختار قرار دیتے ہیں، اسی کو سلف کی رائے اور صحابہ اور تابعین کا قول فرماتے ہیں، دیکھئے المحلی لابن حزمؒ (۳) علامہ ابن قیم حنبلی المذہب ہیں مگر اس کے باوجود تہذیب السنن شرح ابی داؤد جس میں انہوں نے حافظ منذری کی کتاب کی تلخیص کی ہے فرماتے ہیں: **ان ذلک مذهب جمهور الصحابة والتابعين**، اس کے بعد قیل وقال کی کیا گنجائش ہے؟ نیز اسی سے علامہ ابن حجرؒ کے شوافع کی تائید میں بیان کردہ اس قول **انه مذهب الجمهور** کی حقیقت واضح ہوگئی ہے، ہاں اگر نہ تاویل کریں کہ علامہ نے ائمہ اربعہ میں تین ائمہ کے اعتبار سے جمہور فرمایا ہے تو صحیح ہے مگر جمہور امت مراد لینا غلط ہے اور ان کی شان رفیع کے مناسب نہیں ہے (دیکھئے معارف السنن رص ۹۹رج ا) خلاصہ اس باب میں احنافؒ کا مذہب عقلاً ونقلاً، حدیثاً وفقہاً اور روایۃً قوی ترین مذہب ہے اور یہی جمہور صحابہ وتابعین کا قول اور مذہب ہے اور حدیث ابوایوب نص ہے، تشریع عام ہے، معلوم الوصف والعلم ہے، قوی ہے، محرِّم ہے، ناطق ہے، لہذا دوسری روایات اس پر کیسے مقدم ہوسکتی ہیں (معارف السنن رص: ۱۰۰رج: ا)۔

مضامین

دعاؤں کا سہارا

مولانا محمد احسان رشیدی
استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

اس دنیا میں انسان زندگی کے مختلف مراحل سے گزرتا رہتا ہے، عمومی حالات میں تو انسان خداوند قدوس کی بے شمار نعمتوں سے فیضیاب ہوتا رہا ہے، کوئی وقت ایسا نہیں گزرتا کہ انسان نعمائے باری سے مستفید نہ ہو رہا ہو، بلکہ ہر وقت سلسلہ بسلسلہ نعمتوں کے حصار میں ہے، خصوصاً عصر حاضر میں تو قدم قدم پر آسانیاں ہیں، سہولتوں نعمتوں کے انبار ہیں، طرح طرح کی غذائیں دوائیں سرد و گرم لباس پوشاک مختلف قسم کے ماکولات و مشروبات، رہن سہن کے ٹھنڈے گرم انتظامات امور خانہ داری میں استعمال ہونے والے مختلف آلات، آمد و رفت کے آرام دہ وسائل و ذرائع نے انسان کو بے حد ممنون و مشکور کر دیا ہے، شکر گذاری سے زبان ہر آن عاجز ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم گناہوں میں ڈوبے ہوئے خطا و عصیان کے خوگر ہونے کے باوجود باری تعالیٰ مسلسل اپنی نعمتوں سے نواز رہا ہے، یہ صرف اور صرف کریم داتا کی کرم فرمائی ہے کہ زمین پر چل پھر رہے ہیں اور بے شمار نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں، اس کی غفاریت اور ستاریت کا عظیم الشان مظاہرہ ہے، ورنہ تو اگر ہمارے معاصی کی بنیاد پر پکڑ کرنے پر آئے تو ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتے، باری تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: لَوْ یُؤاخِذُاللّٰہُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَاتَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَامِنْ دَابَّۃٍ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں کی بنیاد پر پکڑنا شروع کر دیتا تو روئے زمین پر کوئی بھی چلنے والا باقی نہ رہتا، اگر ہر گناہ پر فوراً سزا مل جایا کرتی تو سارے انسان ایک ایک کر کے ختم ہو جاتے۔

تاہم اپنی ذات میں بھی ہر وقت انسان خدا کا ممنون ہے کہ اعضاء کی صحت و سلامتی، کھانے کا ہضم، بول و براز سے عافیت کے ساتھ فراغت، نیند کا آنا، قوۃ باصرہ، قوۃ ذائقہ، قوۃ لامسہ، قوۃ شامہ، قوۃ سامعہ سے مسلسل مستفیض ہونا اس کے علاوہ ارضی سماوی اور بھی نعمتوں کا لامتناہی سلسلہ انسان کے ساتھ ہر وقت لگا ہوا ہے کہ انسان کسی بھی حصہ کو صحیح سے شمار کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، خود باری تعالیٰ فرماتے ہیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو نہیں گن سکتے ہو، اسلئے انسان کو ہمیشہ قولاً فعلاً عملاً خدا کا شکر گزار رہنا چاہئے۔

عموماً انسان نعمتوں میں رہتا ہے لیکن کبھی کبھار زندگی میں ایسے مرحلے بھی آجاتے ہیں جو انسان کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے ہیں، آلام و مصائب، مشکلات و پریشانیوں سے گھر جاتا ہے، درحقیقت یہی آزمائشی مرحلے تعمیر زندگی کی بنیاد ہوتے ہیں، اور کوئی بھی انسان بحیثیت انسان ان سے بری نہیں ہو سکتا، لیکن ایک مومن کیلئے یہ آزمائشی مرحلے بھی درحقیقت نعمت ثابت ہوتے ہیں، ترقیات کا زینہ ہوتے ہیں اور آزمائش بھی ہر مومن کی درجہ بدرجہ ہوتی ہے، چنانچہ روایت میں آیا ہے: ان اشد البلاء الانبیاء ثم الامثل فا الامثل اس لئے مومن کو گھبرانے کی ضرورت نہیں، باری تعالیٰ نے فرمایا ہم تمہیں

ضرور آزمائیں گے کچھ خوف کے حالات لاکر، اور بھوک کے ذریعہ فقر وفاقہ کے حالات لاکر اور اموال میں خسارہ کے حالات لاکر عزیزوں اور پیاروں سے کسی کو اپنے پاس بلاکر اور کھیتوں باغوں میں پھلوں میں کی کمی لاکر خوش خبری سنا دیجئے، باری تعالیٰ کی رضاء اور مدد کی صبر کرنے والوں کو اور صبر بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حاصل ہوتا ہے، وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ صبر سے کام لیجئے اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے، حضور ﷺ سے بڑھ کر صابر کون ہوسکتا ہے کہ اعداء اسلام کی طرف سے قولی فعلی اذیتیں دینے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ رکھا جاتا، اپنے اہل بیت اور صحابہ کرامؓ کی شہادتوں کے غموں پر غم اٹھائے مگر آپ تسلیم ورضا کے پیکر بنے رہے اور خدا تعالیٰ سے مدد مانگتے رہے۔

دراصل حقیقی سہارا تو خدا ہی کی ذات ہے، اس سے بڑھ کر کوئی معین ومددگار نہیں وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی کہ جو نصرت خداوندی پر یقین کرکے اپنے معاملات حال احوال خدا کے حوالہ کردیتا ہے اور اعتماد وبھروسہ کرلیتا ہے کہ میرا رب مجھے کافی ہے اور کہتا ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کہ کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآءِکُمْ وَکَفٰی بِاللّٰہِ وَلِیًّا وَکَفٰی بِاللّٰہِ نَصِیْرًا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کی طاقت سے واقف ہے، اللہ تعالیٰ کام بنانے کے لئے کافی ہے اللہ تعالیٰ مدد کے لئے کافی ہے، لہذا ہمیں بھی خدا کے حضور اپنے جملہ حالات میں یہی کہنا چاہئے، خواہ حالات کیسے ہی ناگفتہ بہ ہوں حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے مشکل ترین امور میں اس کو کافی ہوجائے گا، دوسرے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں رہتی ہے، بلکہ تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ غیر اللہ کی طرف رجوع سے اور کام بگڑتے چلے جاتے ہیں، صرف اور صرف کام بنانے والی ذات ایک اللہ ہی کی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ کہ جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرکے اپنے امور اللہ کے حوالہ کرکے اطمینان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو کافی ہوجاتا ہے۔

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام اور اولیاء عظام کی زندگی کے تابناک گوشے اس پر شاہد ہیں، حضرات اصحاب کہف کو جب اپنے ایمان کا خطرہ ہوا اور دقیانوس بادشاہ جو اس وقت کفر کا علمبردار اور پرچارک تھا جو بتوں کی پوجا نہیں کرتا تھا تو اس کے جسم کے ٹکڑے کرکے شہر کے دروازوں پر لٹکا دیا کرتا تھا ان نوجوانوں کو ایک دن کی مہلت دی تو انہوں نے دعاء کی رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً ٥ وَھَیِّ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا اللہ نے دعا قبول فرمائی اور حفاظت فرمائی وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ۔ حقیقت میں مدد تو اللہ کی ہے جو زبردست ہے حکمت والا ہے۔

چنانچہ قومِ بنی اسرائیل کا معرکہ حضرت تالوط کی سرکردگی میں قومِ عمالقہ سے ہونا تھا جو نہایت طاقت ور قوم تھی، بنی اسرائیل میں چلتے چلتے صرف تین سو تیرہ افراد باقی رہ گئے تھے، تاہم حضرت داؤدؑ نے جالوت کو ایک پتھر مارا وہ بھاری بھر کم لوہے میں ڈوبا ہوا زمین پر آگرا ۳۱۳ کی قلیل تعداد نے دعاء کی رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ، دعاء کی برکت سے وہ قلیل تعداد کثیر تعداد پر غالب آ گئی، اسی طرح فرعون نے جادوگر بلائے موسیٰؑ سے مقابلہ کیلئے لیکن وہ ایمان لے آئے، فرعون نے کہا کہ تمہارے ہاتھ پیر کاٹ دوں گا سولی پر چڑھادوں گا مگر انہوں نے دعاء کی رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ، ایک روایت میں اللہ نے ان کی حفاظت فرمائی، بدر کے میدان میں صحابہ کرامؓ کی قلیل تعداد بے سروسامان تھی سامنے ایک ہزار کا لشکر جرار، آپ ﷺ نے خوب زور دار قبلہ رخ ہوکر دعا فرمائی: **اللھم انجزلی ما وعدتنی اللھم ان تھلک ھذہ العصابة من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض** اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور کفار کو شکست فاش ہوئی، ستر کافر مارے گئے ستر قید ہوئے حق وباطل کا فیصلہ ہوگیا۔

نیز غزوۂ احد میں اولاً مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی لیکن جبلِ رماۃ پر مقرر صحابہ جب ہٹ گئے تو فتح شکست میں بدل گئی، ستر صحابہ شہید ہوگئے آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے آپ کے سر پر لوہے کی خود کی کڑیاں گھس گئیں، چہرۂ مبارک خون سے رنگین ہوگیا اس موقعہ پر بھی حضور ﷺ نے دعاء فرمائی **اللھم لا یعلو علینا اللھم لا قوۃ لنا الا باالله** اللہ تعالیٰ نے تسلی دی **سنلقی فی قلوب الذین کفروا لرعب بما اشرکوا** کہ کافروں کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالدوں گا، کیونکہ وہ شرک کرتے ہیں، کافر بھاگ کھڑے ہوئے اور واپس حملہ کرنے کی ہمت نہ دکھائی۔

غزوہ خندق کے موقعہ پر ۱۰ ریا ۱۲ ر ہزار کا لشکر مدینہ پاک کی اینٹ سے اینٹ بجانے کے لئے آ گیا تھا آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسی کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے خندق کھودی کفار نے محاصرہ جاری رکھا ایک روز آپ ﷺ نے دعا فرمائی **اللھم منزل الکتاب سریع الحساب اھزم الاحزاب اللھم اھزمھم وزلزلھم** وہ دعا ایسی قبول ہوئی دس ہزار کے لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے، ایک سخت برفیلی ٹھنڈی طوفانی ہوا آئی جس نے ان کے خیموں کو اکھاڑ کر رکھ دیا مٹی ان کے چہروں پر لگ رہی تھی ان کے چولہوں پر چڑھی ہوئی دیگیں الٹ گئیں اور اندھیرے اور ہوا کی شدت سے آپس میں بھی ٹکرائے، ان کی سواریاں بدکنے لگیں آخر کار بدحواس ہوکر بھاگ گئے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا قبول ہوئی۔

الغرض ایک مومن کیلئے تو قدم قدم پر دعاؤں کا ہی سہارا ہے، بے اولاد ہے، بے روزگار، رہائش کا انتظام نہیں، ملازمت نہیں مل رہی، شادی نہیں ہو رہی ہے، سب کے لئے قرآن وحدیث میں دعائیں آئی ہیں ان کو معمول بنانا چاہئے، بے اولاد کے لئے رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ، شادی نہیں ہو رہی، ملازمت نہیں، رہائش کا انتظام نہیں تو **رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر** کو بار بار پڑھے یہاں تک کہ اگر ہانڈی میں نمک نہیں جوتے میں تسمہ نہیں تو خدا ہی سے مانگے، **حتی یسأل الملح حتی یسئله شعسه وانقطع** حضرت زکریاؑ نے دعاء کرتے ہوئے کیا خوب عرض کیا اپنی بے حد کمزوری کا اظہار کیا اور عرض کیا لَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا اے میرے رب تجھ سے مانگ کر کبھی محروم نہ رہا، بس امید اور یقین ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ ضرور سنے گا قبول فرما کر میرا کام بنادے گا، یقیناً دعاء قبول ہوگی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا **ان ربکم حی کریم یستحی من عبدہ اذا رفع یدیه ان یردھما صفر** اللہ تعالیٰ باحیا کریم ہے بندہ جب ہاتھ اٹھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ حیا کرتا ہے کہ بندہ کے دونوں ہاتھ خالی لوٹائے، ان شاء اللہ العزیز آئندہ دعاؤں کی تاثیرات کے مظاہر دنیا میں روشنی ڈالی جائے گی۔

مضامین

پیغمبر اسلام بحیثیت رحمت ورأفت

عبدالواجد رشیدی ندوی
خادم تدریس ورفیق ماہنامہ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کائنات میں آپ ﷺ کی ذاتِ بابرکت سے بڑھکر کوئی نہ ہوا اور نہ ہے اور نہ ہوسکتا ہے، نیز اس کائنات کا عدم سے وجود صرف اور صرف آپ ﷺ ہی کی وجہ سے ہوا ہے، معلوم ہوا کہ کل عالم آپ ﷺ ہی کا مرہونِ منت ہے، جیسا کہ ملاعلی قاریؒ نے موضوعات الکبریٰ رص ۱۹۴، پر اور علامہ طاہر پٹنیؒ نے تذکرۃ الموضوعات رص ۸۶ر پر اس روایت کو نقل فرمایا ہے: لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْأَفْلَاکَ وَالْأَرْضِیْنَ کہ اگر آپ کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں نہ تو آسمانوں کو بناتا اور نہ زمینوں کو، جس میں اس طرف اشارہ کیا گیا ہے، ممکن ہے کہ شاعر نے انہیں الفاظ کو کچھ اسطرح پرودیا ہو۔

محمدؐ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا ـــــــــــــــــــ زمیں بھی نہ ہوتی فلک بھی نہ ہوتا

اس روایت کے متعلق صنعانی نے فرمایا ہے: انہ موضوع کذا فی الخلاصۃ لکن معناہ صحیح، فتاوی محمودیہ رجلد ۴ رص ر۸۳۔

آقائے نامدار، فخر موجودات، سیدالکونین، رحمۃ للعالمین حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات کو قرآن کریم کی زبان میں خلق عظیم قرار دیا گیا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ کہ آپ سراپا اخلاق کریمانہ کے پیکر ہیں، ویسے تو آپ کی تمام تر صفات ایک سے بڑھکر ایک تھیں لیکن آپ کے اندر صفت رحمت ورأفت کا عنصر بہت زیادہ غالب تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں اللہ پاک نے ارشاد فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ کہ ہم نے آپ ﷺ کو تمام عالموں کے لئے رحمت بنا کر مبعوث کیا ہے. حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی صاحب بلندشہری مہاجر مدنیؒ نے اپنی مایۂ ناز تفسیر انوار البیان فی کشف اسرار القرآن میں اس آیت کریمہ کے متعلق فرمایا کہ آیت بالا میں رسول اللہ ﷺ کو رحمۃ للعالمین کا مبارک اور معظم لقب عطا فرمایا اور سورۂ توبہ میں آپ کو رؤف رحیم کے لقب سے سرفراز فرمایا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا اَنَا رَحْمَةٌ مُّهْدَاةٌ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مخلوق کی طرف بطور ہدیہ بھیجا گیا ہوں اور سراپا رحمت ہوں، ایک حدیث میں ارشاد ہے: آپ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی بَعَثَنِیْ رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَ وَهُدًی لِّلْعَالَمِیْنَ وَاَمَرَنِیْ رَبِّیْ بِمَحْقِ الْمَعَازِفِ وَالْمَزَامِیْرِ وَالْاَوْثَانِ وَالصَّلِیْبِ وَاَمْرِ الْجَاهِلِیَّةِ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے مجھے سارے جہانوں کے لئے رحمت وہدایت بنا کر بھیجا اور میرے رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ گانے بجانے کی چیزوں کو مٹاؤں اور بتوں اور صلیب کو (جس کی نصرانی پرستش کرتے ہیں) اور جاہلیت کے کاموں کو مٹادوں۔

رحمۃ للعالمین ﷺ کی رحمت عام ہے، آپ ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے سارا عالم کفر وشرک کی دلدل میں پھنسا ہوا تھا، آپ ﷺ تشریف لائے، تو سوتوں کو جگایا، حق کی طرف بلایا، اس وقت سے لیکر آج تک کروڑوں انسان اور

جنات ہدایت پا چکے ہیں، ساری دُنیا کفر وشرک کی وجہ سے ہلاکت اور بربادی کے دہانے پر کھڑی تھی، آپ ﷺ کے تشریف لانے سے دُنیا میں ایمان کی ہوا چلی، توحید کی روشنی پھیلی، جب تک دُنیا میں اہل ایمان رہیں گے قیامت نہیں آئے گی، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ دنیا میں اللہ اللہ کہا جاتا رہے گا (صحیح مسلم رص:۸۴ رج:۱)۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والا ایک شخص ایک پہاڑ پر گزرا اور دُوسرے پہاڑ کو یہ بات معلوم کر کے خوشی ہوئی اس کی وجہ بھی وہی ہے کہ عموماً مؤمن بندے جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں اس سے عالم کی بقاء ہے، مجموعۂ عالم میں آسمان زمین، چرند پرند چھوٹے بڑے حیوانات اور جمادات سبھی ہیں، قیامت آئے گی تو کچھ بھی نہ رہے گا، سب کی بقا اہل ایمان کی وجہ سے ہے اور ایمان کی دولت رحمۃ للعالمین ﷺ سے ملی ہے، اس اعتبار سے آپ ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا ظاہر ہے۔

اور اس اعتبار سے بھی آپ ﷺ سارے جہانوں کے لئے رحمت ہیں، آپ ﷺ نے ایمان اور ان اعمال کی دعوت دی جن کی وجہ سے دُنیا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے اور آخرت میں بھی ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کے لئے رحمت ہوگی، جو لوگ آپ ﷺ پر ایمان نہیں لاتے اُنہوں نے رحمت سے فائدہ نہیں اُٹھایا جیسا کہ نابینا آدمی کو آفتاب کے طلوع ہونے سے روشنی کا فائدہ نہیں ہوتا، روشنی سے نابینا کا محروم ہونا سورج کے تاریک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

آپ ﷺ سے پہلے حضرات انبیاء کرامؑ کی اُمتیں جب اسلام قبول نہیں کرتی تھیں تو اُن پر عذاب آجاتا تھا اور نبی کی موجودگی میں ہی ہلاک کر دی جاتی تھیں، آپ ﷺ کے رحمۃ للعالمین ہونے کا اس بات میں بھی مظاہرہ ہوا ہے کہ عمومی طور پر سبھی منکرین اور کافرین ہلاک ہو جائیں، ایسا نہیں ہوگا، آخرت میں کافروں کو کفر کی وجہ سے عذاب ہوگا وہ آخرت سے متعلق ہے۔

دنیا میں آپ ﷺ کو کیسی کیسی تکلیفیں دی گئیں اور کس کس طرح ستایا گیا آپ ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ہمیشہ رحمت ہی کا برتاؤ کیا، صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ ﷺ آپ مشرکین کے لئے بددُعا کیجئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اِنّی لَمْ اُبْعَثْ لَعَّانًا اِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَۃً (میں لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں) (مشکوٰۃ المصابیح رص:۵۱۹)۔

آپ ﷺ طائف تشریف لے گئے، وہاں دین حق کی دعوت دی وہ لوگ ایمان نہ لائے اور آپ ﷺ کے ساتھ بدخلقی کا بہت برا برتاؤ کیا، پہاڑوں پر مقرر فرشتہ نے آکر خدمت عالی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ فرمائیں تو ان لوگوں کو پہاڑوں کے بیچ میں کچل دوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا نہیں کرنا میں اُمید کرتا ہوں کہ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی وحدانیت کا اقرار کریں گے (مشکوٰۃ المصابیح رص:۵۲۳)۔

سورۂ توبہ میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: عَزِیْزٌ عَلَیْہِ مَاعَنِتُّمْ یعنی اُمت کو جس چیز سے تکلیف ہو وہ آپ ﷺ کو شاق گزرتی ہے اور آپ ﷺ کو اس سے تکلیف ہوتی ہے حَرِیْصٌ عَلَیْکُمْ آپ ﷺ اُمت کے نفع کے لئے حریص ہیں، اہل ایمان کو اعمال صالحہ سے بھی متصف دیکھنا چاہتے ہیں اور یہ بھی حرص ہے کہ ان کی دنیاوی حالات دُرست ہو جائیں، بِالْمُؤْمِنِیْنَ رَؤُفٌ رَّحِیْمٌ آپ ﷺ کو اپنی اُمت کے ساتھ رأفت اور رحمت کا تعلق ہے، آپ ﷺ کا تعلق صرف اتنا ہی نہیں تھا کہ بات کہہ کر بے تعلق ہو جاتے، آپ ﷺ کا اپنی اُمت سے قلبی تعلق تھا، ظاہراً بھی آپ ﷺ اُن کے ہمدرد تھے اور باطناً بھی اُمت کو جو

تکلیف ہوتی، اس میں آپ ﷺ بھی شریک ہوتے اور جس کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی تو آپ ﷺ کو اس سے کڑھن ہوتی تھی۔

حضرات صحابہ کرامؓ میں کسی کو تکلیف ہو جاتی تھی تو اس کے لئے فکر مند ہوتے تھے، عیادت کے لئے تشریف لے جاتے تھے دواء بتاتے تھے، مریض کو تسلی دینے کی تعلیم دیتے تھے، تکلیفوں سے بچانے کے لئے ان امور کی تعلیم دیتے تھے جن سے تکلیف پہنچنے کا اندیشہ ہوتا اور جس سے انسان کو خود ہی بچنا چاہئے، لیکن آپ ﷺ کی شفقت کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے اُمور کو بھی واضح فرماتے تھے، اسی لئے آپ ﷺ نے کسی ایسی چھت پر سونے سے منع فرمایا جس کی منڈیر بنی ہوئی نہ ہو (رواہ البخاری رص:۴۰۴) اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص (ہاتھ دھوئے بغیر) اس حالت میں سو گیا کہ اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہوئی تھی پھر اسے کوئی تکلیف پہنچ گئی (مثلاً کسی جانور نے ڈس لیا) تو وہ اپنی ہی جان کو ملامت کرے (مشکوٰۃ المصابیح ۳۶۶)۔

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص رات کو سونے کے بعد بیدار ہو تو ہاتھ دھوئے بغیر پانی میں ہاتھ نہ ڈالے کیونکہ اسے نہیں معلوم کہ رات کو اس کا ہاتھ کہاں رہا ہے (ممکن ہے اس کو کوئی ناپاک چیز لگ گئی ہو، یا اس سے زہریلا جانور گزر گیا ہو) (رواہ البخاری ومسلم) جوتے پہننے کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ تر جوتے پہنے رہا کرو کیونکہ آدمی جب تک جوتے پہنے رہتا ہے وہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص سوار ہو (جیسے جانور پر سوار ہونے والا زمین کے کیڑے مکوڑوں اور گندی چیزوں اور کانٹوں اور اینٹ پتھر کے ٹکڑوں سے محفوظ رہتا ہے ایسے ہی ان چیزوں سے جوتے پہننے والے کی بھی حفاظت رہتی ہے (مشکوٰہ المصابیح رص:۳۷۹)۔

نیز آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب چلتے چلتے کسی کا چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو ایک چپل میں نہ چلے یہاں تک کہ دوسرے چپل کو درست کرلے (پھر دونوں کو پہن کر چلے) اور یہ بھی فرمایا کہ ایک موزہ پہن کر نہ چلے (کیونکہ ان صورتوں میں ایک قدم اونچا اور ایک قدم نیچا ہو کر توازن صحیح نہیں رہتا)، آپ ﷺ اُمت کو اس طرح تعلیم دیتے تھے جیسے ماں باپ اپنے بچوں کو سکھاتے اور بتاتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا میں تمہارے لئے باپ ہی کی طرح ہوں میں تمہیں سکھاتا ہوں (پھر فرمایا کہ) جب تم قضاء حاجت کی جگہ جاؤ تو قبلہ کی طرف نہ منہ کرو نہ پشت کرو اور آپ ﷺ نے تین پتھروں سے استنجا کرنے کا حکم فرمایا اور فرمایا کہ لید سے ہڈی سے استنجانہ کرو اور دائیں ہاتھ سے استنجا کرنے سے منع فرمایا (مشکوٰہ المصابیح رص:۴۲)۔

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنے کا ارادہ کرے تو جگہ کو دیکھ بھال لے (مثلاً پکی جگہ نہ ہو جہاں سے چھینٹیں اڑیں اور ہوا کا رخ نہ ہو وغیرہ) (مشکوٰۃ رص:۴۲) نیز آپ ﷺ نے سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا (مشکوٰۃ المصابیح) کیونکہ ان میں جنات اور کیڑے مکوڑے رہتے ہیں، اگر کتب حدیث میں زیادہ وسیع نظر ڈالی جائے تو اس طرح کی بہت سی تعلیمات سامنے آجائیں گی جو سراسر شفقت پر مبنی ہیں، اس شفقت کا تقاضا تھا کہ آپ ﷺ کو یہ گوارانہ تھا کہ کوئی بھی مؤمن عذاب میں مبتلا ہو جائے، حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے آگ جلائی جب چاروں طرف روشنی ہوگئی تو پروانے اس آگ میں آکر گرنے لگے، وہ شخص ان کو روکتا ہے کہ آگ میں نہ گریں لیکن وہ اس پر غالب آجاتے ہیں اور آگ میں گرتے ہیں، اسی طرح میں بھی تمہیں کمر سے پکڑ پکڑ کر آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہوں اور تم زبردستی اس میں گرتے ہو (یعنی رسول اللہ ﷺ

نے جو گناہوں پر وعیدیں بتائی ہیں اور عذاب کی خبریں دی ہیں اُن پر دھیان نہیں دیتے (رواہ البخاری ومسلم) سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کی صفات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ اِنَّ اللهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (سو اللہ کی رحمت کے سبب آپ ان کے لئے نرم ہوگئے اور اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہوجاتے سو آپ ان کو معاف فرمادیجئے اور ان کے لئے استغفار کیجئے اور کاموں میں ان سے مشورہ لیجئے، پھر جب آپ پختہ عزم کرلیں تو آپ اللہ پر توکل کیجئے بےشک توکل کرنے والے اللہ کو محبوب ہیں)۔

آیتِ بالا میں جہاں آپ ﷺ کی خوش خلقی اور نرم مزاجی اور رحمت وشفقت کا ذکر ہے وہاں اس امر کی بھی تصریح ہے کہ اگر آپ ﷺ سخت مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہؓ جو آپ ﷺ کے پاس جمع ہیں جو آپ ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے پاس سے چلے جاتے اور منتشر ہوجاتے، رسول اللہ ﷺ کے اخلاق عالیہ میں شفقت اور رحمت کا ہمیشہ مظاہرہ ہوتا تھا جب کوئی شخص آپ ﷺ سے مصافحہ کرتا تو آپ ﷺ اس کے ہاتھ میں سے اپنا ہاتھ نہیں نکالتے تھے جب تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکالنے کی ابتداء نہ کرتا اور جس سے ملاقات ہوتی تھی اس کی طرف سے جو خود چہرہ نہیں پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا رخ پھیر کر جنا چاہتا تو چلا جاتا تھا، حضرت انسؓ نے یہ بھی بیان فرمایا کہ میں نے دس سال رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی، مجھ سے کبھی کچھ نقصان ہوگیا تو مجھے کبھی ملامت نہیں فرمائی اگر آپ کے گھر والوں میں سے کسی نے ملامت کی تو فرمایا کہ رہنے دو اگر کوئی چیز اللہ کے قضا وقدر میں ہے تو وہ ہوکر ہی رہے گی، آپ رحمۃ للعالمین ﷺ نے دوسروں کو بھی رحم کرنے کا حکم فرمایا، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا (رواہ البخاری ومسلم) آپ ﷺ نے فرمایا کہ مؤمنین کو ایک دوسرے پر رحم کرنے اور آپس میں محبت اور شفقت کرنے میں ایسا ہونا چاہئے جیسے ایک ہی جسم ہو، جسم کے کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم جاگتا رہتا ہے اور سارے جسم کو بخار چڑھ جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اسی شخص کے دل سے رحمت نکال لی جاتی ہے جو بدبخت ہو (مشکوٰۃ المصابیح باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق)۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا، حضرت ابن عباسؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی عزت نہ کرے اور اچھی باتوں کا حکم نہ کرے اور برائیوں سے نہ روکے (مشکوٰۃ المصابیح ص: ۴۲۳)۔

اُمت محمدیہ پر لازم ہے کہ اپنے نبی ﷺ کا اتباع کریں اور سب آپس میں رحمت وشفقت کے ساتھ مل کر رہیں اور اپنی معاشرت میں رحمت وشفقت کا مظاہرہ کریں، اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے!!!

مضامین

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لے پالک بیٹے

حضرت زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ

مولانا محمد صابر قاسمی

استاذ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

حضرت زید ابن حارثہؓ اعلیٰ صفات کے حامل اور نبی کریم ﷺ کے منظور نظر ہیں آپ ہی وہ شخصیت ہیں جن کا نکاح حبیبِ خدا ﷺ نے خاندان قریش کی اعلیٰ نسب خاتون حضرت زینب بنت جحشؓ سے کر دیا تھا جو آپ ﷺ کی پھوپھی زاد بہن بھی ہیں، نوشتہ تقدیر غالب آیا اور یہ نکاح زیادہ زمانہ تک باقی نہ رہ سکا جدائی ہوگئی پھر زینب بنت جحشؓ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آگئیں، اس واقعہ کو خداوند تعالیٰ نے قرآن مقدس میں بیان کر کے ان حضرات کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے، حضرت زید ہی وہ خوش قسمت صحابی ہیں جن کا اسم گرامی خداوند قدوس نے قرآن کریم میں ثبت فرما دیا جو قیامت تک تلاوت کیا جاتا رہے گا اور بندگان خدا کو اس کی تلاوت پر تیس نیکیاں ملتی رہیں گی۔

ابتدائی احوال

حضرت زیدؓ یمن کے باشندے ہیں آپ کا تعلق قبیلہ بنو قضاعہ سے ہے جو یمن کا نہایت معزز قبیلہ تھا، ایک مرتبہ آپؓ بچپن میں والدہ کے ہمراہ اپنی ننہال تشریف لے گئے، بنوقین کے غارت گروں نے آپ کو خیمہ کے سامنے سے اغواء کر لیا اور غلام بنا کر چار سو درہم میں حکیم بن حزام کے ہاتھوں فروخت کر دیا، انہوں نے اپنی پھوپھی حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کی خدمت میں پیش کیا پھر حضرت خدیجہؓ کے واسطہ سے سید الانبیاء کی غلامی کا شرف حاصل ہوا جس غلامی پر ہزاروں آزادیاں اور دنیا کی تمام بادشاہتیں قربان ہیں، آپ کے والد ثابت ابن شرحبیل کو آپ کے گم ہو جانے سے شدید صدمہ پہنچا، آنکھوں نے سیل اشک بہائے اور دل آتش فراق میں بھڑک اٹھا،

محبت پدری نے رنج والم کا نقشہ بشکل اشعار کھینچا، ترجمہ پیش ہے۔

میں نے زید پر گریہ وزاری کی لیکن یہ معلوم نہ ہوسکا — کہ اس کے ساتھ کیا ہوا وہ زندہ ہے یا اسے موت آگئی
خدا کی قسم میں نہیں جانتا ہوں اگرچہ دریافت کرتا رہتا ہوں — کیا تجھے نرم زین نگل گئی یا پہاڑ کھا گیا
کاش میں جانتا کہ اب تیرا آنا بھی ممکن ہے — پس تیرا واپس آنا ہی میرے لئے دنیا میں کافی ہے
آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت اس کو یاد دلاتا ہے — اور جب غروب کا وقت قریب آجاتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کردیتا ہے
باد بہار کی لپیٹ اس کی یاد کو برانگیختہ کردیتی ہے — آہ! مجھے اس پر کس قدر شدید رنج وغم ہے
عنقریب اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان ماروں گا — میں اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا
یہاں تک کہ اونٹ تھک جائے یا مجھ کو موت آجائے — ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امید اسے دھوکہ دے۔

آپ کی گمشدگی سے پردہ اس طریقہ سے اٹھا کہ بنوکلب کے چند لوگ حج کے ارادہ سے مکہ مکرمہ آئے انہوں نے اس یوسف گم گشتہ کو بیک نظر پہچان لیا، پھر یعقوب صفت والد کی داستان غم سنائی حضرت زید بولے یقیناً انہوں نے میرے فراق میں نوحہ خوانی کی ہوگی، میر جانب سے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا، ترجمہ:

میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں اگرچہ ان سے دور ہوں، میں خانہ کعبہ میں مشعر حرام کے قریب رہتا ہوں، اس لئے تم اس غم سے باز آؤ جس نے تمہیں پر الم بنا دیا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک مت چھانو، حجاج نے واپسی کے بعد پورا واقعہ بیان کیا تو والد بزرگوار کی آنکھیں چمک اٹھیں، دل کی مرجھائی ہوئی کلی کھل گئی لیکن ناامیدی نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا، بولے رب کعبہ کی قسم کیا وہ میرا ہی نور نظر تھا، ان لوگوں نے جب حلیہ، جائے قیام، اور آپ کے آقا رسول اللہ ﷺ کے احوال تفصیل سے بیان کئے تو ان کا تذبذب یقین میں، پژمردگی خوش روئی میں، ناامیدی امید میں اور غم مسلسل فرحت وانبساط میں تبدیل ہوگیا۔

بلا تاخیر اپنے برادر کے ہمراہ ہوا سے باتیں کرتے ہوئے مکہ مکرمہ کی جانب رواں دواں ہوگئے، مکہ مکرمہ پہنچ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت عالیہ میں شرف باریابی حاصل کیا، اوّلاً آں حضور ﷺ کے اوصاف وکمالات بیان کئے، پھر زیدؓ کی آزادی کی درخواست کی اور اس آزادی کے عوض بڑے سے بڑا معاوضہ ادا کرنے کا عزم ظاہر کیا، حضور ﷺ نے ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا بہتر ہے، زید کو بلا کر اختیار دو اگر وہ تمہیں پسند کرتا ہے تو تمہارا ہے اور اگر وہ مجھے چاہتا ہے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں کہ اپنے خواستگار پر کسی کو ترجیح دوں، حضرت زیدؓ حاضر کئے گئے رسول اللہ ﷺ نے دریافت کیا تم ان

دونوں سے شناسا ہو؟ انہوں نے جواب دیا جی پہچانتا ہوں، یہ میرے والد اور چچا ہیں، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا میں کون ہوں اس سے تم واقف ہو؟ میری ہمنشینی کا حال بھی تم کو معلوم ہے، اب تمہیں اختیار ہے چاہو تو مجھے پسند کر و یا ان دونوں کو حضرت زیدؓ کو جو لطف سرورِ کونین ﷺ کی غلامی میں حاصل ہوا تھا وہ لطف آزاد لوگوں کو آزادی میں اور شہنشاہوں کو بادشاہت میں نہیں آسکتا۔

بولے میں ایسا نہیں ہوں جو رسول اللہ ﷺ پر کسی کو ترجیح دوں، آپ ہی میرے ماں اور باپ ہیں، حضرت زید کی اس وفاداری نے والد اور چچا کو محو حسرت کر دیا وہ تعجب سے بولے تم آزادی، والد، چچا اور خاندان کے مقابلے میں غلامی کو بہتر سمجھ رہے ہو، زیدؓ نے حب رسول کے دریا میں غوطہ زن ہو کر جواب دیا اس ذاتِ گرامی میں جو محاسن نظر آئے ہیں، ان پر میں کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا ہوں، آپؓ کی غیر متزلزل وفاشعاری نے حبیب اللہ ﷺ کے دل مبارک میں دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا، آپ ﷺ نے حجر اسود کے پاس پہنچ کر اعلان فرمایا آج سے زید میرا فرزند اور وارث ہے، والد اور چچا کے دل افسردہ گل شگفتہ ہو گئے، آغوشِ عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور مسرت کے ساتھ واپس یمن تشریف لے گئے۔

حضرت زیدؓ سابقین اولین میں سے ہیں، غلاموں میں سب سے پہلے آپ ہی نے اسلام قبول کیا، نبی اکرم ﷺ نے آپ کو حضرت حمزہؓ کا بھائی بنا دیا اور ہجرت کے بعد آپ کو اسید ابن حضیر کا اسلامی بھائی قرار دیا، آپ کو تیر اندازی میں کمال حاصل تھا، معرکہ بدر سے غزوۂ موتہ تک تمام معرکوں میں شریک رہے اور دادِ شجاعت دی، غزوۂ بنو المصطلق میں شرکت نہ ہو سکی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس غزوہ میں آپ کو جانشینی کا شرف بخشا تھا، غزوۂ موتہ میں آپ امیر لشکر تھے اسی غزوہ میں آپ کو نیزہ لگا اور جام شہادت نوش فرماگئے، آپ ﷺ اس قدر روئے کہ گلو گرفتہ ہو گئے، حضرت سعد ابن عبادہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ جذبۂ محبت ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اگر آپ ﷺ کے بعد زید زندہ ہوتے تو آپ ﷺ انہیں کو (زندگی کے آخری ایام میں) امیر بناتے، حضرت زیدؓ نے کئی نکاح فرمائے رسول اللہ ﷺ کی تحریض پر آپ کی کنیز ام ایمن سے نکاح فرمایا، انہیں کے بطن سے حضرت اسامہؓ پیدا ہوئے۔

آپؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہ ابن زیدؓ سے رسول اللہ ﷺ بے پناہ محبت فرماتے تھے، آپؓ کی شہادت کے بعد حضور ﷺ نے ایک فوج کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا لیکن روانگی سے قبل ہی رسول اللہ ﷺ مالک حقیقی سے جا ملے، حضرت ابوبکرؓ نے اس فوج کو روانہ فرمایا حضرت اسامہؓ غیر معمولی کامیابی کے ساتھ سالماً و غانماً واپس آئے۔

مضامین

حضرت جابر بن عبداللہ بن حرام الانصاریؓ

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ صاحب نقشبندی
محدث وناظم جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ابوعبداللہ کنیت ہے اور کہا گیا ہے کہ ابوعبدالرحمٰن، اول زیادہ صحیح ہے۔

بیعت عقبہ ثانیہ میں اپنے والد گرامی کے ساتھ بچپن کے دور میں شریک تھے۔

ابوزبیر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں نے ۱۷ رغزوات میں شرکت کی ہے، بدر اور احد میں شریک نہ تھا، بچپن کی وجہ سے والد گرامی نے منع کر دیا تھا، پھر جب والد ماجد حضرت عبداللہؓ احد میں شہید ہو گئے تو میں کسی غزوہ سے پیچھے نہیں رہا، وہ منظر بھی عجیب تھا جب معرکۂ احد پیش آیا تو جابرؓ فرماتے ہیں والد ماجد حضرت عبداللہؓ نے مجھے طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ جابر تم کو نہیں معلوم ہے کہ تم مجھے سب سے زیادہ عزیز اور محبوب ہو، ادھر میں جہاد میں جانے کا ارادہ رکھتا ہوں ایسا لگتا ہے کہ مجھے شہادت نصیب ہوگی اور واپس نہ آؤنگا تم میرے بعد اپنی بہنوں کا خیال رکھنا، ۹ ربہنیں تھیں کچھ کی شادی ہو چکی تھی، اس لئے بعض روایات میں چھ بہنوں کا ذکر آیا ہے وہ بھی صحیح ہے، چنانچہ اسی طرح ہوا جیسا والد محترم نے فرمایا تھا۔ کس قدر افسوس ہوا جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا تھا جس پر اس روایت سے روشنی پڑتی ہے جس کو امام بخاریؒ نے کتاب المغازی میں نقل فرمایا ہے۔

عن عبدالرحمن بن كعب بن مالك : أن جابر بن عبدالله رضى الله عنهما أخبره أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يجمع بين الرجلين من قتلى أحد في ثوب واحد، ثم يقول أيهم أكثر أخذاً للقرآن؟ فإذا أشير له إلى أحد قدمه في اللحد وقال: أنا شهيد على هؤلاء يوم القيامة وأمر بد فنهم بد مائهم ولم يصل عليهم ولم يغسلوا، وقال أبو الوليد، عن شعبة، عن ابن المنكدر قال: سمعت جابرا قال: لما قتل أبي جعلت أبكي

عبدالرحمٰن بن کعب بن مالکؓ سے حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے بیان کیا حضور ﷺ احد کے دن دو دو شہیدوں کو ایک ہی کپڑے میں لپیٹتے اور پوچھتے ان دونوں میں کس کو قرآن زیادہ یاد تھا؟ جب سے اشارہ کیا جاتا کہ اس کو (قرآن زیادہ یاد تھا) تو آپ ﷺ اس کو آگے کرتے (یعنی قبلے کی طرف) اور آپ ﷺ نے حکم دیا ان لوگوں کو خون سمیت دفن کر دینے کا نہ ان پر نماز پڑھی نہ ان کو غسل دیا، اور ابوالولید نے شعبہ سے روایت کی انہوں نے محمد بن منکدرؒ سے انہوں نے کہا میں نے جابرؓ سے سنا انہوں نے کہا جب

وأكشف الثوب عن وجهه، فجعل أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم ينهوني والنبي صلى الله عليه وسلم لم ينه، وقال النبي صلى الله عليه وسلم : لا تبكيه أوما تبكيه، ما زالت الملائكة تظله بأجنحتها حتى رفع (بخاری/ص:۵۸۴/ج:۲)۔

میرے والد (عبداللہ احد کے دن) شہید ہوئے تو میں ان کی لاش دیکھ کر رو رہا تھا (بار بار) ان کے منہ پر سے کپڑا کھولتا حضور ﷺ کے اصحاب مجھ کو رونے سے منع کرتے لیکن حضور ﷺ منع نہ کرتے (کیونکہ جابرؓ آہستہ سے روتے ہوں گے) آپ ﷺ نے (فاطمہ بنت عمرو میری پھوپھی سے) فرمایا تو عبداللہ پر مت رویا کر یا فرمایا کیا روتی ہے اس پر تو فرشتے جب تک اس کا جنازہ اٹھایا گیا سایہ کئے رہے (تیسیر الباری/ص:۳۲۸/ج:۵)۔

اس حدیث سے حضرت عبداللہؓ کی ایک فضیلت یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ فرشتے ان پر سایہ کرتے رہے جب تک ان کو اٹھایا نہیں گیا، اور یہاں جو نماز جنازہ پڑھنے کی نفی ہے تو دوسری روایت میں اس کا ثبوت بھی ہے انہیں کو احناف نے ترجیح دی ہے، کیونکہ جب دو قسم کی روایات جمع ہوں بعض روایات کسی چیز کی نفی پر دال ہوں اور بعض ثبوت پر، تو ثبوت والی روایات کو ترجیح ہوتی ہے، دوسرے جب انبیاءؑ کی نماز پڑھنا نماز جنازہ ثابت ہے حالانکہ وہ مغفور لہم ہیں تو شہداء پر بطریق اولیٰ، اگر کہا جائے کہ شہداء حیات ہیں تو جواب میں کہا جائے گا کہ انبیاء کی حیات ان سے قوی تر ہے پھر بھی ان پر صلاۃ جنازہ ثابت ہے۔

صلاۃ علی الشہید کا جو انکار کرتے ہیں وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اور کچھ عقلی دلائل بھی پیش کرتے ہیں جن کا حضرات احناف نے تفصیلاً جواب دیا ہے، حضرت امام طحاویؒ نے اس پر بسط سے کلام فرمایا ہے۔

ایک دوسری جگہ فرمایا کہ اللہ پاک نے ان سے اپنے روبرو کلام فرمایا ہے، ویسے بھی حضرات صحابۂ کرامؓ کی فضیلت کا کیا کہنا خود صحابی ہونے کی فضیلت ہی کیا کم سعادت ہے، پھر غزوات میں سے غزوۂ احد میں شہادت کا اعلیٰ ترین مقام، پھر فرشتے سایہ فگن اور اللہ پاک سے ہم کلام ہونے کی سعادت اور شہادت پر اعلیٰ مراتب ومنازل کا حصول سبحان اللہ العظیم۔

اپنے نکاح میں بہنوں کی رعایت

الغرض والد ماجدؓ کی وصیت کے مطابق حضرت جابرؓ نے بہنوں کا اس قدر خیال رکھا کہ باوجود کم عمر ہونے کے اس جوان سال صحابہ نے اپنی شادی نوعمر عورت سے کرنے کے بجائے ثیبہ (پہلے شادی شدہ) سے کرنے کو ترجیح دی تاکہ ان کا صحیح انتظام ہو سکے اور ان کی تربیت اور دیکھ بھال میں سہولت ہو جائے، چنانچہ ان سے رسول اللہ ﷺ نے محبت وشفقت کرتے ہوئے جب معلوم فرمایا تو یہی جواب دیا، جس پر اس مشہور ومعروف روایت سے روشنی پڑتی ہے:

عن جابرؓ قال : قال لي رسول الله صلى الله عليه وسلم: هل نكحت يا جابر؟ قلت نعم، قال: ماذا؟ أبكرا أم ثيبا؟ قلت: لا بل ثيبا : فهلا جارية تلاعبك؟ قلت: يا رسول الله إن أبي قتل يوم أحد وترك تسع بنات كن لي تسع أخوات فكرهت أن أجمع إليهن جارية خرقاء مثلهن ولكن امرأة تمشطهن وتقوم عليهن، قال: أصبت (بخاری شریف رص:۵۸۰رج:۲)۔

جابر بن عبداللہ انصاریؓ نے فرمایا کہ حضورﷺ نے مجھ سے پوچھا جابر کیا تو نے نکاح کیا ہے؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، فرمایا: کنواری سے یا بیوہ سے؟ میں کہا بیوہ سے، آپﷺ نے فرمایا کنواری سے کیوں نہ کیا وہ تجھ سے کھیلتی رہتی؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے باپ احد کے دن شہید ہوئے اور نو بیٹیاں چھوڑیں تو میری نو بہنیں تھیں میں نے مناسب نہ سمجھا کہ انہی کی طرح ایک نادان لڑکی لاکر ان میں شریک کروں میں نے چاہا (ایک سمجھ دار عمر والی) عورت لاؤں جو ان کی کنگھی چوٹی اور ان کی خدمت کرے، آپﷺ نے فرمایا تو نے اچھا کیا (تیسیر الباری رص:۳۱۰رج:۵)۔

حضرت جابرؓ نے والد ماجد کی وصیت پر اتنا عمل فرمایا اور ایک سمجھ دار خاتون سے نکاح کیا وہ خاتون صحابیہ کس قدر سمجھدار ثابت ہوئی چنانچہ ایک قصہ سے اس پر روشنی پڑتی ہے۔

قصہ دعوتِ جابرؓ

عبدالواحد بن أيمن، عن أبيه قال: أتيت جابرا رضي الله عنه فقال: إنا يوم الخندق نحفر فعرضت كدية شديدة فجاء والنبي صلى الله عليه وسلم فقالوا: هذه كدية عرضت في الخندق فقال: إنا نازل ثم قام وبطنه معصوب بحجر ولبثنا ثلاثة أيام لا نذوق ذواقا فأخذا لنبي صلى الله عليه وسلم المعول فضرب في الكدية فعاد كثيبا أهيل أو أهيم فقلت: يا رسل الله ائذن فقال: لي إلى البيت فقلت لامرأتي:

عبدالواحد بن ایمن نے اپنے والد ایمن حبشی سے انہوں نے کہا میں جابر بن عبداللہ انصاریؓ کے پاس آیا انہو نے بیان کیا ہم خندق کے دن زمین کھود رہے تھے اتنے میں ایک قطعہ سخت نکلا (جو کدال سے کھد نہ سکا) لوگ حضورﷺ کے پاس آئے، آپﷺ سے عرض کیا یہ ایک قطعہ سخت ہے جو خندق میں نکل آیا (اب کیا کرنا؟) آپﷺ نے فرمایا (ٹھہرو) میں خود اترتا ہوں (اس کو کھود دیتا ہوں) پھر آپﷺ کھڑے ہوئے بھوک کی وجہ سے آپﷺ کے پیٹ پر پتھر بندھا تھا اور ہم لوگوں نے بھی تین دن سے کوئی کھانے کی چیز چکھی تک نہ تھی، آپﷺ نے کدال ہاتھ میں لی اور اس قطعہ پر ماری وہ بہتی ریتی ہوگیا (یا تو اتنا سخت تھا یا اتنا نرم ہوگیا) راوی کو شک ہے اہیل کا لفظ کہا یا اہیم کا

رأيت بالنبي صلى الله عليه وسلم شيئاما كان في ذلك صبر فعندك شيء؟ قالت: عندي شعير وعناق، فذبحت العناق،وطحنت الشعير حتى جعلنا اللحم في البرمة، ثم جئت النبي صلى الله عليه وسلم والعجين قد انكسر والبرمة بين الأثافي قد كادت أن تنضج فقلت: طعيم لي فقم أنت يا رسول الله ورجل أورجلان، قال: كم هو؟ فذكرت له قال: كثير طيب، قال: قل لها لا تنزع البرمة ولا الخبز من التنور حتى آتي فقال: قوموا فقام المهاجرون والأنصار فلما دخل على امرأته قال ويحك جاء النبي صلى الله عليه وسلم بالمهاجرين والأنصار ومن معهم قالت: هل سألك؟ قلت: نعم ادخلوا ولا تضاغطوا فجعل يكسر الخبز ويجعل عليه اللحم ويخمر البرمة والتنور إذا أخذ منه ويقرب إلى أصحابه ثم

معنی ایک ہی ہیں ،یعنی بہتی پھسلتی ریتی، آخر میں نے عرض کیا یارسول اللہ مجھ کو گھر نے اجازت دیں) میں نے گھر آ کر اپنی بیوی (سہیمہ بنت مسعود) سے کہا حضور ﷺ میں میں نے وہ بات دیکھی جس پر صبر نہیں ہوسکتا (یعنی آپ ﷺ بہت بھوکے ہیں) تیرے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ اس نے کہا ہاں تھوڑے جَو ہیں (ایک صاع) اور ایک بکری کا بچہ ہے، میں نے بکری کا بچہ ذبح کیا اور میری بیوی نے جَو پیسے جب ہم گوشت ہانڈی میں ڈال چکے (اس کو پکنے چڑھادیا) اور آٹا خمیر ہوگیا ہانڈی چولہے کے پتھروں پر تھی گوشت پک جانے کے قریب تھا اس وقت میں حضور ﷺ کے پاس آیا اور چپکے سے آپ ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ تھوڑا سا کھانا میرے پاس تیار ہے، آپ ﷺ تشریف لے چلئے اور ایک یا دو آدمی اپنے ساتھ لیجئے آپ ﷺ نے پوچھا کتنا کھانا ہے؟ میں نے بیان کیا (ایک صاع جَو ایک بکری کا بچہ) آپ ﷺ نے فرمایا بہت ہے اور عمدہ ہے، تو جا اپنی بیوی سے کہہ دے جب تک میں نہ آؤں ہانڈی چولہے پر سے نہ اتارے اور روٹی تنور میں سے نہ نکالے میں آتا ہوں ، پھر آپ ﷺ نے فرمایا اٹھو (جابرؓ کی دعوت میں چلو) یہ سن کر مہاجرین اور انصار کھڑے ہوئے ، جابرؓ اپنی بیوی کے پاس پہنچے تو کہنے لگے ہائے اب کیا ہوگا؟ حضور ﷺ تو مہاجرین اور انصار اور ان کے ساتھ والے سب کو لے کر آرہے ہیں، ان کی بیوی نے کہا حضور ﷺ نے تم سے کچھ پوچھا تھا؟ انہوں نے کہا ہاں پوچھا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا اندر چلو پر دھکم دھکا نہ کرو، آپ ﷺ نے روٹیاں توڑ توڑ کر ان پر گوشت رکھ رکھ کے لوگوں کو دینا شروع کیا جب ہانڈی اور تنور میں سے کچھ لے چکتے تو ان کو ڈھانپ دیتے ، آپ ﷺ اسی طرح برابر روٹیاں توڑ توڑ کر دیتے رہے اور ہانڈی میں سے گوشت لیتے رہے ، یہاں تک کہ سب سیر ہوگئے

ینزع، فلم یزل یکسر الخبز ویغرف حتی شبعوا وبقی بقیة قال: کلی هذا وأهدی فإن الناس أصابتهم مجاعة۔

اور تھوڑا کھانا بچ رہا، آپ ﷺ نے جابرؓ کی بیوی سے فرمایا تو بھی کھا اور اپنے لوگوں کو حصہ بھیج، کیونکہ آج کل لوگ بھوکے ہو رہے ہیں، (تیسیر الباری رص:۳۴۴رج:۵)۔

اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے دعوت منظور فرما کر اعلانِ عام کر دیا تو گھر آئے اور بیوی محترمہ پر ناراض ہو رہے ہے کہ تھوڑا سا کھانا اور پوری فوج ظفر موج اپنے محبوب نبی ﷺ کے ساتھ آرہی ہے، تیرا ایسا ہو، ایسا ہو، تو بیوی محترمہؓ نے معلوم کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ سے کچھ معلوم کیا کھانے کے بارے میں کتنا ہے، آپ نے بتادیا تھا کہ قلیل ہے؟ کہا کہ میں نے بتلا دیا تھا، تو بیوی محترمہؓ نے جواب دیا پھر کیا غم ہے؟ بیوی محترمہؓ کے کہنے سے حضرت جابرؓ کا سارا غم وفکر دور ہو گیا اور راحت حاصل ہوئی، یہ وہ بیوی تھی جو نہایت عاقلہ فہمہ ثابت ہوئیں، اس سے قبل برکت فی التمر کا ظہور ہو چکا تھا جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا تھا، اس وجہ سے ان کو یقین تھا کہ یہاں بھی ایسا ہی کچھ ہوگا۔

اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جو بیوی عاقلہ (سمجھ دار) ہوتی ہے تو شوہر کے اوپر سے بہت سارا فکر دور کر دیتی ہے۔

تو حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں **فکشفت عني غما شديداً**، مزید فرمایا **دلّ ذلک علی وفور عقلها وکمال فضلها وقد وقع لها مع جابرؓ في قصة التمر** رص:۳۹۸۔

ایک اور واقعہ جس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حضرت جابرؓ پر کس قدر شفقت تھی کہ ان کے یہاں تشریف لے گئے اور یہ بھی کہ ان کے قرض کی ادائیگی میں رسول پاک ﷺ شریک رہے اور اس برکت کا جو ظہوا ہوا وہ فضل خداوندی اور ان کی غایت درجہ عقیدت ومحبت کا نتیجہ تھا جس پر اس قدر شفقت مرتب ہوئی اور یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ رسول پاک ﷺ صحابہ کرامؓ کے معاملات میں کس قدر دلچسپی رکھتے تھے۔

اگر چہ تاریخی اشارات وتصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قصہ پہلے کا ہے مگر یہاں ایک دوسری مصلحت سے مؤخر لکھا گیا ہے۔

قصہ برکت فی التمر

حدثني أحمد بن أبي سريج: أخبرنا عبيدالله بن موسی حدثنا شيبان عن فراس عن الشعبي قال: حدثني جابر بن عبدالله رضي الله عنهما أن أباه استشهد يوم أحد

ہم سے احمد بن ابی سریج نے بیان کیا کہا ہم کو عبید اللہ بن موسیٰ نے خبر دی کہا ہم سے شیبان نے بیان کیا انہوں نے فراس بن یحییٰ سے انہوں نے شعبی سے کہا مجھ سے جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے بیان کیا ان کے والد احد کے دن شہید ہوئے اور اپنے اوپر قرضہ

وترک عليه دينا وترک ست بنات فلما حضر جزاز النخل قال أتيت رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت قد علمت أن والدي قد استشهد يوم أحد وترک دينا كثيرا، وإني أحب أن يراک الغرماء، فقال اذهب فبيدر كل تمر على ناحية ففعلت ثم دعوته فلما نظروا إليه كأنهم أغروا بي تلك الساعة فلما رأى مايصنعون أطاف حول أعظمها بيدرا ثلاث مرات ثم جلس عليه ثم قال: ادع لک أصحابک فلما زال يكيل لهم حتى أدى الله عن والدي أمانته وأنا أرضى أن يؤدي الله أمانة والدي ولا أرجع إلى أخواتي بتمرة فسلم الله البيادر كلها وحتى إني أنظر إلى البيدر الذي كان عليه النبي صلى الله عليه وسلم كأنها لم تنقص تمرة واحدة۔

چھوڑ گئے اور چھ بیٹیاں، جب ان کے باغ کی کھجور کٹنے کا وقت آیا تو میں حضور ﷺ کے پاس گیا آپ ﷺ سے عرض کیا (یا رسول اللہ) آپ ﷺ جانتے ہیں میرے والد احد کے دن شہید ہوگئے اور قرضداری بہت چھوڑ گئے، میں چاہتا ہوں (آپ ﷺ تشریف لے چلیں) آپ ﷺ کو قرض خواہ دیکھیں گے آپ ﷺ نے فرمایا اچھا تو باغ میں چل اور ہر ایک قسم کی کھجور کا الگ الگ ایک ڈھیر لگا، میں نے ایسا ہی کیا اور آپ ﷺ کو بلا بھیجا، جب انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو اس وقت اور ضد کرنے لگے، آپ ﷺ نے جب قرض خواہوں کی یہ ضد دیکھی تو ان ڈھیروں میں جو بڑا ڈھیر تھا اس کے گرد پھرے تین دفعہ اور پھر اس پر بیٹھ گئے اور پھر قرض خواہوں کو بلایا آپ ﷺ برابر ان کو ماپ ماپ کر دیتے رہے یہاں تک کہ اللہ نے میرے والد کا پورا قرضہ ادا کر دیا اور میں تو اسی پر راضی تھا کہ اللہ میرے والد کا پورا قرضہ ادا کرادے، گو میں اپنی بہنوں کے پاس ایک کھجور لے کر نہ لوٹوں (یعنی مجھ کو ایک کھجور بھی نہ بچے) اللہ تعالیٰ نے سب ڈھیروں کو (جوں کا توں) بچا دیا اور جس ڈھیر پر حضور ﷺ بیٹھے تھے میں اس کو دیکھ رہا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس میں سے ایک کھجور بھی کم نہیں ہوئی (تیسیر الباری رص:۱۱۱/ج:۵)۔

پھر یہ واقعہ قرض خواہوں کا مسلمانوں کا معاملہ نہ تھا ورنہ صحابۂ کرامؓ رسول پاک ﷺ کی اس قدر محبت ورعایت اور ادب کرنے والے ضرور اس معاملہ میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھ کر رعایت رکھتے اور سہولت کا معاملہ فرماتے، بلکہ حضرت جابرؓ نے کے والد محترم نے یہ قرض مدینہ کے یہود سے لیا تھا یہ ان کی حرکت تھی جس کی صراحت بخاری شریف میں مذکور اس واقعہ سے ہوتی ہے جو بخاری شریف رص:۸۱۸/ج:۲/ مذکور ہے۔

قصہ لیلۃ البعیر

رسول پاک ﷺ کو ان سے کس قدر محبت اور تعلق خاطر تھا اس کا ظہور اس واقعہ سے بھی ہوتا ہے جو ''لیلۃ البعیر'' سے معروف ہے ''البدایہ والنہایہ'' میں ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ جب سفر میں رسول پاک ﷺ کے

ساتھ آرہے تھے قافلہ میں ان کی سواری سب سے پیچھے چل رہی تھی رسول پاک ﷺ کی نظر پڑی تو معلوم فرمایا اور ان کو دوسری طرف گھر جانے کا تقاضا تھا رسول پاک ﷺ نے ان کی سواری کے مارا جس کی برکت سے وہ تیز رفتار بن گئی، اب رسول پاک ﷺ ان سے بڑی پیار و محبت و شفقت کی باتیں فرمانے لگے، اے جابر! کیا تمہاری شادی ہوگئی؟ جی ہاں رسول اللہ ﷺ میں نے شادی کرلی، معلوم فرمایا کہ وہ ثیبہ (شادی شدہ) ہے یا باکرہ (کنواری)؟ عرض کیا ثیبہ ہے، پھر فرمایا تمہاری یہ اونٹنی تو بہت عمدہ ہے یہ ہمیں فروخت کردو، عرض کیا ویسے ہی قبول فرمالیجئے گا، فرمایا نہیں نہیں قیمۃً لوں گا، اچھا قیمت لگا لیجئے تو قیمت لگا رہے ہیں رسول اللہ ﷺ، اس پر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ قیمت تو کم ہے، پھر قیمت لگائی، یا رسول اللہ یہ بھی کم ہے، اچھا اتنی قیمت لے لو، پھر جب گھر پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو بھیجا کہ اونٹنی لے آئے اور قیمت دے آئے، مگر وہ گھر پر نہ تھے جب گھر آئے تو معلوم ہوا کہ واقعی اونٹنی طلب فرمائی، تو فوراً اونٹنی لیکر حاضر ہوئے، رسول اللہ ﷺ نے حضرت بلال سے قیمت بھی دلوائی اور اونٹنی بھی واپس فرمادی، کیونکہ منشا اس کو خریدنا نہیں تھا بلکہ ان کا تعاون فرمانا تھا، اور اس رات ان کے لئے ۲۵ر بار مغفرت کی دعا فرمائی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے گھر جانے کی شرط لگائی (کمافی حدیث الترمذی) اس سے معلوم ہوا کہ بیع میں اس طرح کی شرط لگائی جاسکتی ہے جبکہ دوسری روایت سے ممانعت ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع میں شرط لگانے سے منع فرمایا ہے، اسی وجہ سے علماء کے درمیان مسئلہ میں اختلاف واقع ہوا۔

حکایت: حج کے زمانہ میں ایک جگہ پر مکہ معظمہ میں امام اعظمؒ، امام ابن شبرمہ اور قاضی ابن ابی لیلیٰ جمع تھے، ایک شخص آیا پہلے اس نے امام اعظم سے یہ مسئلہ معلوم کیا، آپ نے فرمایا شرط اور بیع دونوں باطل ہیں، پھر وہ ابن شبرمہ کے پاس گیا انہوں نے فرمایا کہ شرط اور بیع دونوں صحیح ہیں، پھر وہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا انہوں نے جواب دیا کہ بیع صحیح ہے اور شرط باطل ہے، پھر وہ شخص امام اعظمؒ کے پاس لوٹا اور ان دونوں حضرات کا جواب بھی بتایا، آپ نے فرمایا انہوں نے یہ جواب کیوں دیا یہ تو مجھے معلوم نہیں، پھر اپنی بات کی دلیل بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے بیع اور شراء سے منع فرمایا، پھر وہ ابن شبرمہ کے پاس آیا اور امام اعظمؒ کی دلیل بیان کی تو ابن شبرمہ نے حضرت جابرؓ کی یہ روایت بیان کی جو یہاں مذکور ہوئی، پھر وہ قاضی ابن ابی لیلیٰ کے پاس آیا اور ان کا استدلال بھی ذکر کیا، قاضی صاحب نے حدیث بریرہ سے استدلال کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے شرط کو غلط قرار دیا نہ کہ اصل معاملہ کو، حضرت شاہ انور کشمیریؒ اس واقعہ کے بعد لکھتے ہیں کہ میری نظر میں امام صاحبؒ کا جواب زیادہ درست ہے اور یہ معاملہ جو روایت میں ہے یہ درحقیقت بیع نہ تھی بلکہ تعاون کرنا تھا، چنانچہ اونٹنی کی واپسی اس پر دال ہے، اور قیمت سے زیادہ دینا بھی بعض روایات میں مذکور ہوا ہے (کذافی العرف الشذی رص:۲۳۸رج:۱)۔

اور بعض علماء نے فرمایا کہ ایک شرط لگانا ہے بیع کے بعد اور ایک شرط لگانا ہوتا ہے صلب عقد میں جو ممنوع ہے اور یہ شرط بعد عقد تھی یہ جواب امام طحاوی نے دیا ہے۔

مضامین

صالح انقلاب کی ضرورت

مولانا بلال اشرف رشیدی ندوی
مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں وہ ایک اہم اور نازک دور ہے،اس زمانہ میں جہاں ہم بہت سی چیزوں کا مشاہدہ کرر ہے ہیں،ان میں سے ایک چیز اصلاحِ حال اور اصلاح معاشرہ ہے،چنانچہ اس سلسلہ میں نہ جانے کس قدر کاوشیں، کوششیں مختلف جہتوں مختلف گوشوں اور مختلف اندازوں سے ہورہی ہیں، کتنی انجمنیں، کتنی جماعتیں، کتنی پارٹیاں کتنے افراد، کتنے جلسے، کتنے جلوس، کتنے اجتماع ہوتے ہیں،اورسب کا مقصد بظاہر یہ ہے کہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی برائیوں کوختم کیا جائے اوران کا سدِ باب کیا جائے، معاشرہ کوراہِ راست پر لایا جائے اور انسان کو انسان بنانے کی فکر کی جائے، ہر ایک کی اغراض ومقاصد میں اصلاحِ حال، اصلاح معاشرہ اورفلاح و بہبود جیسی بڑی بڑی باتیں درج ہوتی ہیں اور بڑے بڑے دعوے ہوتے ہیں، جوانجمنیں اور جماعتیں اس کام پرلگی ہوئی ہیں اور جوافراد ایسے کام میں مصروف ہیں اگران کوشمار کیا جائے تو شاید ہزاروں تک ان کی تعداد پہنچ جائے گی، ہزاروں جماعتیں، ہزاروں افراد اس کام پر لگے ہوئے ہیں، اللہ پاک قبول فرمائے!اور مزید توفیق عطا فرمائے!

لیکن دوسری طرف اگر معاشرہ کا عمومی طور سے جائزہ لیا جائے اور معاشرہ پر نظر ڈالی جائے، اور معاشرہ کو قریب سے دیکھا جائے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ تمام تر کوششیں ایک طرف اور خرافات وبدعات اور غلط سلط رسم ورواج، بدعنوانی، لڑائی جھگڑے، فتنے فسادات ونزاعات، لوٹ پاٹ، چوری، گالم گلوچ ایک دوسرے کے متعلق ظالمانہ کارروائی، بڑوں کا چھوٹوں پر ظلم وستم، زنا کاری فحاشی، عیاری، بدمعاشی، رہزنی، چغل خوری، بہتان تراشی، بیجا الزامات واہی تباہی باتیں، وغیرہ وغیرہ خرابیوں کا سیلاب اُمڈا پڑا ہے، الامان والحفیظ، ایک طرف معاشرہ پر ان کی اصلاح کی کوششوں کا کوئی نمایاں اثر نظر نہیں آتا، بلکہ ایسا لگتا ہے کہ زندگی کا پہیہ غلط راستہ پر گھور رہا ہے، اگر ترقی ہورہی ہے تو برائی میں ہورہی ہے، اچھائی میں نہیں ہورہی ہے، اگر ہوبھی رہی ہے تو بہت کمی کے ساتھ، تو ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ساری کوششیں معاشرہ کو بدلنے میں کیوں ناکام نظر آتی ہیں؟ مثالیں اپنی جگہ ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی اگر پورے

معاشرہ پر نظر ڈال کر دیکھا جائے تو کوئی بڑا فرق نظر نہیں آتا، اس کی کیا وجہ ہے؟۔

اس سوال کا جواب بھی اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں عطا فرمایا ہے اور ہماری ایک بیماری کی تشخیص بھی فرمادی ہے اور یہ وہ آیت ہے جو اکثر وبیشتر ہماری نگاہ سے اوجھل رہتی ہے، ہمیں اس کے معنیٰ بھی معلوم نہیں ہیں، مفہوم بھی پیش نظر نہیں رہتا، ارشادِ باری ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (سورۂ مائدہ) ''اے ایمان والو! تم اپنے آپ کی خبر لو، اگر تم سیدھے راستہ پر آگئے (تم نے ہدایت حاصل کرلی، صحیح راستہ اختیار کرلیا) تو جو لوگ گمراہ ہیں ان کی گمراہی تم کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی، تم سب کو اللہ کی طرف لوٹنا ہے، وہاں پر اللہ تم کو بتائیں گے کہ تم دنیا کے اندر کیا کرتے رہے ہو''۔

اس آیت کریمہ کے اندر بہت اہم اور بنیادی بات بتادی گئی ہے کہ اپنی خبر لو، اور ہمارا حال یہ ہے کہ جب ہم اصلاحِ حال اور اصلاحِ معاشرہ کا بیڑا لیکر اُٹھتے ہیں تو اصلاحِ حال کا مخاطب اپنے علاوہ کو بناتے ہیں جس کے نتیجہ میں خود کو بھول جاتے ہیں، اصلاح کا آغاز دُوسرے شخص سے ہوتا ہے، نہ کہ اپنے آپ سے، گویا دُوسروں کو تو بلا رہا ہے، دُوسروں کو تو دعوت دے رہا ہے، دُوسروں کو تو اصلاح کا پیغام دے رہا ہے، لیکن اپنے آپ سے اور اپنے حالات میں تبدیلی لانے سے بالکل غافل ہے، جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان اپنے گریبان میں منہ ڈالنے کے بجائے دُوسرے کی تاک جھانک میں لگ جاتا ہے، پھر ہر محفل اور ہر مجلس میں طرزِ عمل یہ رہتا ہے کہ فلاں شخص میں یہ خرابی ہے، اور فلاں میں یہ برائی ہے، فلاں یہ کام کر رہا ہے اور فلاں وہ کام کر رہا ہے، پھر سب سے آسان کام اعتراض کرنا تنقید اور عیب جوئی کرنا ہوجاتا ہے۔

معاشرہ وسماج میں چل پھر کر اور گھوم کر معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ کے اندر کیا ہو رہا ہے، چنانچہ بہت سی ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کو سنکر بہت افسوس ہوتا ہے، کہ معاشرہ میں یہ خرابی چل رہی ہے اور یہ بیمار عام ہے، اس کی اصلاح کی کتنی ضرورت ہے؟ پھر یہ ساری کوششیں اور گفتگو ایک مذاق بن کر رہ جاتی ہیں، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ نہ تو خود کی اصلاح ہو پاتی ہے اور نہ دُوسروں کی۔

معاشرے کی اصلاح کا راستہ یہ ہے کہ اے ایمان والو اپنی خبر لو، اگر تم راستے پر آجاؤ تو گمراہ ہونے والے اور غلط راستے پر جانے والے تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچائیں گے، لہذا مجلس آرائی کے طور پر اور محض برسبیل تذکرہ دوسروں کی برائیاں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے، اپنی فکر کرو اور اپنی جتنی اصلاح کرسکتے ہو کرلو حقیقت یہ ہے کہ معاشرے کی اصلاح کا راستہ بھی یہی ہے، اس لئے کہ معاشرہ کس کا نام ہے؟ میرا اور آپ کا اور افراد کے مجموعہ کا نام معاشرہ ہے، اب اگر ہر شخص اپنی اصلاح کی فکر کرے کہ میں ٹھیک ہوجاؤں تو رفتہ رفتہ سارا معاشرہ ٹھیک ہوجائے گا، لیکن اگر معاملہ یہ رہا

کہ تم میرے اوپر تنقید کرو اور میں تمہارے اوپر، تم میری برائی کرو میں تمہاری برائی بیان کروں، پھر تو اس معاشرہ کی حالت کبھی درست نہیں ہو سکتی، بلکہ اپنی فکر کرو، تم دیکھ رہے ہو کہ دنیا جھوٹ بول رہی ہے تم نہ بولو، دوسرے لوگ رشوت لے رہے ہیں تم نہ لو، دوسرے لوگ سود کھا رہے ہیں تم نہ کھاؤ، دوسرے لوگ دھوکہ دے رہے ہیں تم نہ دو، دوسرے لوگ حرام کھا رہے ہیں تم نہ کھاؤ، دوسرے لوگ غیبت کر رہے ہیں تم نہ کرو، جب ہم ان چیزوں کا خیال رکھیں گے اور ان پر عمل کریں گے تو رفتہ رفتہ اپنی اور اس کے ساتھ معاشرہ کی بھی اصلاح ہو جائے گی۔

اس موقع پر یہ بات ٹھیک سے سمجھ لینی چاہئے کہ اگر بالفرض کوئی آدمی کبھی کسی گناہ کا مرتکب ہو گیا تو اب ایسا نہ کرے کہ کسی کو بھلائی کی دعوت نہ دے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بالکل ترک کرنے کا قصد وارادہ کر لے اور سمجھنے لگے کہ میں تو خود گناہ گار ہوں، میری بات دوسروں کے حق میں کیسے مؤثر ثابت ہو سکتی ہے؟ بات کہنی ہی ترک کر دے، جبکہ ایسا نہیں، بلکہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جو نصیحت وہ دُوسروں کو کرتا ہے تو وہ خود بھی اس پر عمل پیرا ہونے کا سبب اور ذریعہ بن جاتی ہے، جیسا کہ احادیث مبارکہ کے ذخیرہ میں ایسا بھی ملتا ہے کہ ایک شخص نماز بھی پڑھتا تھا اور بہت سے گناہوں کا مرتکب بھی ہوتا تھا، تو ایک صحابیؓ نے انکی شکایت خدمتِ اقدس میں کر ڈالی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک دن ایسا ہو سکتا ہے کہ اسکی نماز اسکو ان برائیوں سے جدا کر دے جن میں وہ مبتلا ہے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ وہ شخص اس برائی سے باز آ گیا، ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر الآیۃ (پ:۲۱)۔

اللہ پاک نے علماء یہود کی بابت بیان کرتے ہوئے فرمایا: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (سورۂ بقرہ) کہ کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم کرتے ہو اور خود کو بھول جاتے ہو کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔

بظاہر آیت قرآنیہ سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اگر انسان خود عمل نہ کر رہا ہو تو وہ دوسروں کو بھی نصیحت اور اچھی بات نہ کہے، جبکہ ایسا نہیں ہے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ نے بڑی عجیب بات ارشاد فرمائی ہے جسکو افادہ اور استفادہ کی غرض سے لکھا جاتا ہے: وہ یہ ہے کہ ''اس آیت شریفہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ عالمِ بے عمل کسی کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے، یا کسی کو راہِ حق نہ بتلائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ خود بھی ضرور عمل کرے، عالم ہو کر بے عمل نہ رہے، بلکہ عالم باعمل بنے، جب وہ دُوسروں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہے تو اسکو خود یہ سوچ لینا چاہئے کہ سب سے پہلے میر انفس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا محتاج ہے''۔

معلوم ہوا کہ واعظ اور عالم دُوسروں کو نصیحت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو نہ بھولے اور جو باتیں وہ دوسروں کو کہہ رہا ہے ان پر وہ خود بھی عمل پیرا ہو، اور میدان عمل میں اترنے کا مظاہرہ کرے، چنانچہ جب ایسا ہوگا تو ان شاء اللہ العزیز ایک صالح انقلاب عظیم برپا ہوگا اور معاشرہ چمکتا اور دمکتا نظر آئے گا، اللہ پاک ہمیں علم وعمل کی دولت سے مالا مال فرمائے، اور ہماری اصلاحی کوششوں کو ہماری نجات کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین!!!

خطبات قسط(۲)

دوخوف

پیرطریقت واقف اسرارِحقیقت حضرت شیخ آصف حسین صاحب فاروقی نقشبندی دامت برکاتہم العالیہ

خوفِ الٰہی تہجد پر ابھارتا ہے

یہ دنیا کا خوف کیا ہے؟ خوب آپ کو میوزک اور گانے سنواتا ہے، بدل دیا نا آپ کو ایک دم؟ ہیں دونوں خوف ہی، تو ہم خود سوچیں ہمیں بدلنا ہے، مزہ نہیں زندگی کے اندر دنیا میں ہم پھنسے ہیں، یہ دکان یہ مکان یہ فلاں وہ فلاں یہ خوف وہ خوف، یہ کیا زندگی ہے، اللہ تعالیٰ کہتے ہیں جانور کی سی زندگی ہے انسان کی، مزہ ہی نہیں پتہ ہمیں اللہ کے خوف کا ٹیسٹ ہی نہیں پتہ، اپنی عبادات کا ٹیسٹ نہیں پتہ، ایک نماز دنیا کے خوف کے ساتھ پڑھی جاتی ہے ہمیں پتہ نہیں کہ پڑھا کیا ہے، کی آیتیں پڑھیں، کیا کیا ہم نے، بس ایک فرض ادا کیا اور کر رہے ہیں، سب دنیا اسی طرح نماز پڑھ رہی ہے، اللہ اکبر، اور ایک نماز خوفِ خدا کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔

خوفِ ربانی کے ساتھ سجدہ، مثالی سجدہ ہوتا ہے

وہ سجدہ ساری زندگی کے لئے مثال بن جاتا ہے، امام حسینؓ سے پوچھو اس سجدہ کا معاملہ، آخری سجدہ کیا تھا، کس طرح کیا تھا؟ خوفِ خدا کے ساتھ کیا تھا انہیں کوئی سزا نہیں ملی تھی، ایسی کی تیسی ہو جائے لڑائی کی میں نماز نہیں چھوڑنا چاہتا، گردن جھکائیں گے تو کاٹ دیں گے گردن، ابھی تک آپ کو شہید نہیں کر سکے تھے، خوفِ دنیا کہہ رہا ہوں آپ کو ابھی شہید کر دیں گے یہ وقت ہے نماز پڑھنے کا؟ آپ نے گردن جھکا دی تو اڑا دیں گے آپ کو، اُدھر کیا کہہ رہے ہیں عشق کیا کہتا ہے کہ مزہ تو اسی میں ہے الحمد للہ۔

سجدۂ حسینی کی لذت

آج تو اصل ٹیسٹ لے کے گزرنا ہے اس دنیا سے، کہ اللہ کے خوف سے سجدہ کیسے کیا جاتا ہے، سبحان اللہ کیونکہ جب اللہ کا خوف آجاتا ہے وہ اس طرف جاتا ہے کہ ممکن ہے اللہ پاک میری اسی بات سے ناراض نہ ہو جائے کہ نماز کا ٹائم تھا تو نے نماز کیوں نہیں پڑھی؟ اللہ اکبر مجھے بتائیں! جس کو خوفِ خدا ہوگا وہ بیماری میں اٹھ

جاتا ہے، بیہوشی میں اٹھ جاتا ہے کہ میں نے نماز پڑھنے جانا ہے، وہ ایک دم بھاگتا ہے مصلے کی طرف، وہ کہتے ہیں بھائی صبر کر صبر کر پڑھ چکے ہیں، اس کے اندر کیا چیز ہے؟ ریاء ہے، نہیں، کیا ہے؟ خوفِ خدا ہے، کیونکہ اس حالت میں ڈر رہا ہے حالانکہ بتایا جارہا ہے کہ بھائی آپ اس طرح نماز پڑھ لیں گے تو بہتر رہے گا لیکن وہ کسی کی بات نہیں مانتا، اسی طرح دنیا کا خوف میں کہہ رہا ہوں نا؟ بات نہیں مانتا دکان چلے گی پھر بھی وہ نہیں مانتا، مانتا ہے؟ نہیں یار یہ غلط کہہ رہا ہے، بلکہ اصل چیز یہی ہے جو میرے دل میں ہے۔

اسی طرح جن کو اللہ کا خوف ہوتا ہے جب اس کو تسلی دی جاتی ہے وہ کہتا ہے یہ سب جھوٹی ہیں، اصل یہی ہے جو میں سوچ رہا ہوں، سبحان اللہ اصل یہی ہے کہ نماز کا ٹائم جو ہو گیا اذان جو ہوگئی، اب تو میں نہیں چھوڑ سکتا، یہ خوفِ خدا ہے، میرے بھائیو! یہ خوف ہے، الحمدللہ اس کی دو نشانیاں ہیں، اب ہمارا دل کہتا ہے اور سب دعویدار ہو سکتے ہیں میرے میں خوف خدا ہے آپ بھی سمجھتے ہیں خوفِ خدا ہے۔

خوف کی نشانیاں

لیکن اس کی دو نشانیاں ہیں، اس کی نشانیاں اللہ نے اور اللہ کے رسول ﷺ نے بتادی ہیں، اس سے ہم اور آپ جج کرلیں، بہت سادہ نشانیاں ہیں، کیا یہ نشانیاں میرے میں موجود ہیں یا نہیں؟ کیسے ہم اپنی جانچ کریں ہم اسکین کیسے کریں؟ اسکین کرنے کا بہت ہی چھوٹا سا طریقہ بتاتا ہوں آپ کو، کہ خوفِ خدا سے اللہ کے ڈر سے انسان گناہ نہیں کرتا، کیا نہیں کرتا؟ جب گناہ نہیں کرتا تو نافرمانی سے بچ جاتا ہے۔

بالکل سمپل بات ہے، جہاں اس کا قدم گناہ کی طرف اٹھنے لگا فوراً اس پر خوف طاری ہوتا ہے اور وہ وہیں رک جاتا ہے، خوف کی یہ ایک نشانی ہے اور یہ ہے خوف اللہ کا، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جس میں خوف ہوگا نا؟ کہ اب کرلو یہ کرلو، یہ خوف نہیں ہے، خوفِ خدا ہوگا وہیں جم جاتا ہے آدمی کہ یہ مجھ سے نہیں ہوتا، کرنے کا حکم آرہا ہے تو خوفِ خدا ہوگا تو فوراً اس عمل کو کرے گا کہ میں نے نہیں کیا تو میرا رب مجھ سے ناراض ہوجائے گا، رات کو تھکا ہوا آیا ہے لیٹ آیا ہے سب کچھ ہے، لیٹا ہے تھوڑی دیر۔

نماز کا شوق

جہاں اس کو پتہ چلا نماز کا ٹائم ہے بے تحاشا بھاگے گا نماز کی طرف، وہ کیا چیز اٹھاتی ہے؟ الارام نہیں بیشک مدد لے لیں الارم سے کوئی بات نہیں لیکن کیا ہے؟ کونسی چیز آپ کو بھگائے گی؟ یہ خوفِ خدا ہوگا، کیوں، میرا رب ناراض نہ ہوجائے، یار مجھے جانا چاہئے، بارش ہورہی ہے برف ہورہی ہے بھاگا جارہا ہے، یار میں نہیں گیا تو میرا رب ناراض ہوجائے گا، لکھا ہے کہ نماز جو نہیں پڑھے گا اس کی یہ سزائیں ہیں ساری خوفِ خدا، اللہ نے کہا یہ کام تو نے نہیں کرنا ہے اور دل کہہ رہا ہے اس کے کرنے کو، کوئی نہیں دکھ رہا جس کی ہر سال ہمیں پریکٹس کرواتا ہے اللہ پاک، اللہ دیکھ رہا ہے اور کوئی نہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔

روزہ کا شوق

صرف اللہ کی ذات دیکھ رہی ہے، بچہ بھی جو ہوگا سب بدمعاشیاں کرے گا روزہ نہیں کھولے گا، دیکھیں کس طرح ایمان کے ساتھ کتنا یقین ہوتا ہے آدمی کو، بچہ کو بھی الگ بٹھادیں آپ، مؤمن بچے جو ہوتے ہیں نہیں کھائے گا نہیں کھائے گا، بدمعاشیاں جتنی کرالیں اس سے لیکن نہیں نہیں! روزہ نہیں توڑسکتا، اللہ ناراض ہوجائے گا، دیکھا ہے نا آپ نے بچوں کو ایمانداری سے روزہ رکھتے ہیں، بالکل پکا شام تک بری حالت ہوجاتی ہے تو یہ پریکٹس اللہ پاک کراتے ہیں، رمضان میں تھوڑی دیر کیلئے ہم کیوں کرتے ہیں؟ چلو تیس دن ہیں ثواب ہوگا، بہت سی چیزیں اور ہیں نا، لیکن خوفِ خدا والی بات نہیں ہے۔

اللہ کی معیت کا تصور

ایک مشق پوری زندگی جو ہے انسان کی اللہ تعالیٰ کراتا ہے کہ اصل تیری زندگی یہ ہے، یہاں سوائے میرے تجھے اور کوئی نہیں دیکھ رہا، **وھو معکم اینما کنتم** ہر جگہ میں تیرے ساتھ ہوں، تیرے تصور میں آچکی ہے یہ بات، اب تجھے پتہ چلے گا کہ خوف میرا ہوگا، تجھے پتہ ہو کہ یہ چیز اللہ کو بہت ناگوار ہے یہ کام جو میں کروں گا یہ اللہ کو بہت ناپسند ہے، وہیں رک جائے گا، کیا چیز روکے گی انسان کو؟ خوفِ خدا، ایک واقعہ میں پہلے آپ کو سناچکا

ہوں اوباش آدمی کا بالکل بدمعاش آدمی کا، کوئی چانس ہی نہیں اس کی بخشش کا کہیں سے۔

خوف پر ایک سبق آموز قصہ

ایک بدمعاش تھا بدمعاش شیطان امیر تھا، ایک غریب عورت چلی گئی کہ امیر ہے بھائی چلو اس سے ادھار لے لیتے ہیں پیسے، اس نے جا کے التجا کی چودھری صاحب فلاں صاحب پیسے مجھے چاہئیں، بچے میرے بھوکے ہیں بڑی مہربانی ہوگی صدقہ دے دیں یا ادھار دے دیں میں آپ کو دے دوں گی، تو وہ کہتا ہے نہیں نہیں میرے ساتھ گندہ کام کر پیسے دے دوں گا، کہا نہیں میں تو یہ کام نہیں کر سکتی، میں تو آپ سے ادھار مانگتی ہوں یہ کام نہیں کرتی چلی گئی بیچاری۔

پھر اس نے دیکھا کہ بچے بھوکے ہیں دو دن کے بعد واپس آئی کہ دے دے ادھار مجھے، کہتا نہیں برا کام کر، ایک وقت ایسا آہی جاتا ہے انسان پر، بیچاری گھبرا گئی نفس سے، کہتی ہے ٹھیک ہے چلو تیار ہوگئی، وہ جب کرنے لگا آپ کو پتہ ہے، بہت ہی زبردست پوائنٹ ہوتا ہے آدمی کیلئے شہوات کا غلبہ ہوتا ہے اس وقت، جنون ہوتا ہے انسان پہ اس وقت دنیا کی کوئی طاقت ہٹا نہیں سکتی انسان کو جب اس پوزیشن میں آدمی آجاتا ہے، کون روک سکتا ہے اس کو کوئی نہیں۔

بس تیار ہوا بدمعاش آدمی پتہ ہی نہیں اس کو نیکی کا جب وہ کام شروع کرنے والا تھا تو وہ عورت رو پڑی وہ کہتا ہے روتی کیوں ہے؟ میں نے تجھے پیسے دیئے ہیں رونے کی کیا بات ہے؟ کہا روئی اس وجہ سے کہ بہت مجبوری میں مجھے یہ فعل کرنا پڑ رہا ہے میں بہت صاف عورت ہوں پھر جو اس نے کہا کہ اللہ کا تجھ میں خوف نہیں ہے؟ بس کرنٹ پڑ گیا اس اوباش پر، وہیں رک گیا دنیا کی کوئی چیز نہیں روک سکتی اس جگہ سے، میں بتا رہا ہوں وہ ایسا موقع ہوتا ہے انسان کے لئے مرد کیلئے خاص طور پر، وہ وہیں جم گیا وہ اٹھا معافی مانگی ڈبل پیسے دے دئے، اور کہتا ہے آج کے بعد تو نے مجھ میں خوف پیدا کر دیا، آج کے بعد میں وعدہ کرتا ہوں حرام کاری کبھی نہیں کروں گا، کس وجہ کیا اس نے؟ خوف آگیا اس میں، کانپنے لگا تجھ میں اللہ کا خوف نہیں؟ بس اس طرح کانپنے لگا، لیکن فرمایا کچھ ہی دن کے بعد انتقال ہوگیا بیچارے کا۔

بزمِ رفتگاں

علم وعمل اور صلاح وصلاحیت کے پیکر

حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ پھول پوری کی رحلت

محمد ساجد کُھجناوری
مدرس جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ

ابھی حال ہی میں جن اہم شخصیات کے داغ مفارقت دینے سے ملت اسلامیہ کو ناقابل تلافی صدمات سے دوچار ہونا پڑا ہے، ان میں حضرت مولانا مفتی عبداللہ پھول پوری کا سانحۂ وفات بھی ہے، وہ ابھی ۳۰؍نومبر ۲۰۱۷ء مطابق ۱۲؍ربیع الاول ۱۴۳۹ھ کو مکۃ المکرّمہ (زادھا اللہ شرفاً وعظمۃ) میں اپنے مالکِ حقیقی سے جاملے، اناللہ وانا الیہ راجعون، رحلت کے وقت آپ کی عمر ۵۷؍سال تھی، انہوں نے بلد امین میں قابلِ رشک موت پائی اور وہاں کے تاریخی قبرستان جنت المعلیٰ میں علماء دیوبند کے سرخیل سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے پہلو میں آسودہ خواب ہوئے، حضرت مفتی صاحب اہل علم وتصوف کے اس حلقے کے ممتاز فرد تھے جنہیں مصدرِ فیاض نے صراط مستقیم کی وضاحت اور اپنے دین کی سربلندی وترجمانی کیلئے موفق فرمایا، جو زمانہ کے مدوجزر اور حالات کی ستم ظریفی کا شکوہ نہ کرکے اپنی زبان وقلم اور مجالسِ اصلاح وارشاد سے پریشان امت کی دینی وفکری آبیاری کا ایسا قابل عمل فریضہ انجام دیتے ہیں کہ ان کے معاصرین کو بھی ان کی اداؤں پر پیار آنے لگتا ہے اور وہ بزبانِ حال یہی کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ

ایں سعادت بزور بازو نیست   تانہ بخشد خدائے بخشندہ

مفتی عبداللہ پھول پوری بھی ان بافیض خدارسیدہ بندگان میں سے تھے جنہیں خاندانی نسبتوں نے چمک اور روحانی کشش سے بہرہ ور کرنے کے ساتھ اسلاف کی سنتِ متوارثہ کو اپنے اندر جذب کرلینے بلکہ کمالِ فرزانگی کے ساتھ دوسروں تک متعدی کرنے کا حوصلہ وسلیقہ وہبی طور پر بخشا تھا۔

اسی لئے ان کے حلقۂ ارادت میں ملک کے نامی گرامی گھرانوں کے جویانِ حق اور طالبین وسالکین نظر آتے ہیں، ان کے جدِ بزرگوار حضرت مولانا شاہ عبدالغنی پھول پوری (جو بلاشبہ اپنے زمانہ کے شبلی اور جنید تھے) کی خوش اثر نظر نے حضرت مفتی صاحب کے اندرون پر کیا انقلابی اثرات چھوڑے ہوں گے کہ بہت جلد وہ عوام وخواص کے ایک معتدبہ حلقے میں شہرتوں کے آسمان سر کرنے لگے، جبکہ روحانیت کا درجۂ کمال انہیں محی السنہ حضرت مولانا شاہ محمد ابرار الحق ہردوئی کے روحانی دربار سے حاصل ہوگیا تھا، جو حکیم الامہ مولانا تھانوی قدس سرہ کے براہِ راست خلیفہ ومجاز تھے، چنانچہ جیسے ہی میدان عمل میں آپ کی آمد ہوئی تو سعادت واقبال مندی ان کے شانہ بشانہ تھی اور شمعِ روح وروحانیت کے پروانے دیوانہ وار ان کے اردگرد جمع ہونے لگے تھے، اللہ نے انہیں بے شمار کمالات سے نوازا تھا، وہ عالم باعمل صوفی صافی، ولی وعارف اور باصلاح استاذ حدیث ومفتی تھے، ان کے والد ابوالبرکات نے انہیں ابتدائی عربی تامتوسطات کی تعلیم کے بعد جامعہ مظاہر علوم سہارنپور تحصیل علم وآدمیت کیلئے بھیجا تھا، اس وقت آپ کی عمر محض ۲۱؍سال تھی، یہ سن ۱۴۰۲ھ مطابق ۱۹۸۲ء کی بات

ہے جب آپ نے مختلف کتب کا امتحان دے کر عربی ہفتم (مشکوۃ) میں داخلہ لیا، پھر اگلے سال اس شان کے ساتھ فاتحۂ فراغ پڑھی کہ آپ سالانہ امتحان میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب وظفریاب قرار دیئے گئے جس کی بنا پر آپ کو خصوصی انعام سے بھی نوازا گیا، علم وتحقیق کی مزید تشنگی محسوس ہوئی تو اگلے یعنی ۱۴۰۴ھ میں فقہ وفتاویٰ کی مشق کا مرحلہ طے کیا وہ اپنے درسی ساتھیوں میں صلاح واستعداد کے اعتبار سے خاصے نیک نام تھے، اسی لئے فقیہ الاسلام حضرت مفتی مظفر حسین علیہ الرحمہ چاہتے تھے کہ ان کا تقرر برائے تدریس مظاہر علوم میں کرلیا جائے، لیکن قسامِ ازل نے مدرسہ بیت العلوم سرائے میر کی وقیع خدمت آپ کے حق میں لکھی تھی، چنانچہ حضرت مفتی صاحب اسی ادارہ سے عملا وابستہ ہوگئے جہاں بتدریج وہ شیخ الحدیث اور دارالاہتمام تک پہنچے، انہوں نے قلیل سے زمانی رقبہ میں مدرسہ کو مکانی وسعتوں سے نہ صرف مالا مال کردیا بلکہ وہاں متعدد تعلیمی شعبوں کے اضافہ کے ساتھ ملکی سطح پر اسے مستحکم شناخت سے آشنا کیا۔

جامعہ کے مقاصد وتعارف اور ابلاغ دین کیلئے وہاں سے ایک دینی واصلاحی اور علمی رسالہ ''فیضان اشرف'' کے نام سے شروع کیا جو تقریباً ڈیڑھ دہائی سے پابندی کے ساتھ مسلسل اشاعت پذیر ہے اور قلم وکتاب کے رسیا اس سے استفادہ کرتے ہیں، حضرت مفتی صاحب ہی اس کے شذرات لکھتے تھے، ان کی یہ خوبی بھی قابل ذکر ہے کہ وہ ہر موضوع پر اس کے ادارتی صفحات پر اپنا واضح موقف رکھتے تھے، بلکہ بسا اوقات سیاسی احوال وظروف پر بھی ان کی باوزن تحریریں ملک کے سیاسی منظر نامہ کو سمجھنے میں سنگِ میل کا کام کرتی تھیں، ان کے نام اور کام سے واقفیت تو غالباً ان کی تحریروں کے ذریعہ سے ہی ہوئی تھی حسنِ اتفاق کہ کئی سال پیشتر جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی کے کسی ہال میں حکیم الامت مولانا تھانوی علیہ الرحمہ پر منعقد ہوئی کانفرنس میں جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی نسبت پر یہ خاکسار بھی شریک ہوا تھا، اس علمی سمینار میں ملک کی اہم علمی شخصیات کے ساتھ ہمارے ممدوح مفتی عبداللہ پھول پوری بھی تھے، ویسے تو وہ اپنی ظاہری وضع قطع اور عالمانہ رنگ وآہنگ کے اعتبار سے ہی ناظرین پر ایک خوش گوار نقش قائم کردیتے تھے، مگر یہاں کا تو ماحول بھی ان کے حق میں سازگار ثابت ہوا، چنانچہ جیسے ہی انہیں اظہار خیال کی دعوت دی گئی تو وہ اپنے اسلوبِ خطابت مدلل گفتگو اور ساحرانہ زبان وبیان کی معرفت حاضرین پر چھاگئے، عنوان سمینار کے تناظر میں وہ گویا ہوئے، ان کے یہاں معلومات کی ترسیل، مطلب خیز الفاظ وعبارت کا انتخاب، چست جملے اور متاثر کن اظہارِ تعبیر کا ملکہ وافر مقدار میں محسوس ہوتا تھا، ایک دوسرے موقعہ پر انہوں نے ائمہ ومؤذنین کے مسائل وذمے داریوں پر ایسا چشم کشا خطاب فرمایا تھا کہ سامعین محوِ حیرت گوش برآواز تھے اور بقدر ظرف مستفید ہورہے تھے، شہر بنگلور کے متعدد دینی احباب جن سے احقر کی بھی علیک سلیک ہے اور وہ حضرت مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی محدث ومدیر جامعہ اشرف العلوم رشیدی سے عقیدت کا علاقہ رکھتے ہیں، ماشاءاللہ مفتی عبداللہ مرحوم کے دست گرفتوں میں ہیں، ان کی زبانی بھی مفتی صاحب والاصفات کا اتنی کثرت سے تذکرۂ خیر سنا کہ ان کی محبت دل میں رچ بس گئی، خیال تھا کہ دین وشریعت کے اس عاشق زار سے شفاہی راہ ورسم ہو مگر وہ تو دنیا سے بیزار ہوکر اب وہاں چلے گئے جہاں ہر نفس مطمئنہ کا دائمی مستقر ہے، رب کریم ان کے زلات سے درگزر فرماکر انہیں اپنے شایانِ شان اجر جزیل سے نوازے اور امت کو ان کا بہتر بدل عطا فرمائے آمین۔

اخبارِ جامعہ

جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ کی ڈائری

ابوفیصل کھجناوری

رفیق ماہنامہ صدائے حق گنگوہ

القدس کو اسرائیلی دارالحکومت قرار دینے کی شدید مذمت

۶ردسمبر کو امریکی صدر کی طرف سے یروشلم (القدس) کو اسرائیل کا دارالسلطنت قرار دینے والے بیان کی اسلامی جگت اور مذہبی قیادت نے اپنی اپنی سطح پر شدید مذمت کی ہے اور اس ظالمانہ فیصلہ کو فلسطین اور مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی کے مرادف قرار دیا ہے۔

جامعہ اشرف العلوم رشیدی کے روحِ رواح اور صاحبِ نسبت بزرگ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی نے فرمایا کہ امریکہ کا شرارت پر مبنی یہ بیان شرعاً، اخلاقاً، عرفاً اور عقلاً نا قابل قبول ہے جسے کسی بھی صورت میں حق بجانب قرار نہیں دیا جاسکتا، انہوں نے فرمایا کہ عالمی قوانین کے مطابق جب بیت المقدس فلسطین کا نا قابل انفکاک حصہ ہے اور اہل فلسطین ہی اس کے متولی و وارث ہیں تو پھر یروشلم کو اسرائیلی دارالحکومت تسلیم کئے جانے کا امریکہ کے پاس آخر کیا آئینی جواز ہے؟۔

انہوں نے مسلمانوں سے بھی اپیل کرتے ہوئے کہا کہ وہ مسجد اقصیٰ سمیت تمام مذہبی عبادت گاہوں کے تحفظ و بازیافت کی دوا اور دعاء کرنے کے ساتھ مساجد سے اپنا حقیقی رشتہ استوار کریں، محترم موصوف نے احتساب نفس کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ ہمارے اعمال بد کی وجہ سے آج ذلت وآزمائش امت مسلمہ کا مقدر بن چکی ہے، لہذا اس کے حقیقی اسباب وعلل پر ہم سب کو غور کرنا ہوگا، ورنہ اچھے دنوں کی آمد کی آرزو وتمنا محض دیوانہ کا ایک خواب ہی رہ جائے گا۔

اساتذۂ جامعہ کا سفر حرمین شریفین

جامعہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا وسیم احمد سنسارپوری اور مدرس تجوید قاری محمد مرسلین قاسمی نے حرمین شریفین کیلئے رختِ سفر باندھا اور عمرہ کی ادائیگی سے شرف یاب ہوئے، قاری صاحب بحمد اللہ جامعہ پہنچ گئے ہیں، جبکہ حضرت شیخ صاحب مدظلہ کی واپسی عنقریب متوقع ہے ان شاء اللہ۔

برآمدوں میں رنگ وروغن کا سلسلہ جاری

جامعہ کے ضروری مقامات پر سنگ مرمر کی تنصیب کا مرحلہ اگرچہ تقریباً مکمل کرلیا گیا ہے، لیکن جزوی تعمیرات کا سلسلہ بدستور رہتا ہے، چنانچہ جہاں تعمیری مرحلہ بتدریج روبہ عمل ہے وہیں عمارتوں کی تزئین وتہذیب کے لئے رنگ

وروغن کا کام جاری ہے، بیشتر جگہوں پر یہ سلسلہ بھی اب آخری مرحلہ میں ہے۔

انجمن بزم رشید کا ششماہی اجلاس انعقاد پذیر

طلبہ میں تحریر وصحافت کا ذوق اجاگر کرنے کیلئے جہاں جداری مجلات کی اشاعت کا اہتمام رہتا ہے وہیں خطابت وتقریر کا ملکہ پیدا کرنے کے لئے ہفتہ واری انجمنوں میں طلبہ کی شرکت اور تیاری کا پابند بنایا جاتا ہے، ابھی گذرے ماہ طلبہ یوپی کی مرکزی انجمن بزم رشید کا مسابقاتی ششماہی اجلاس دار القرآن فوقانی میں منعقد ہوا، جس کی سیادت، صدارت، حکمیت اور نظامت بالترتیب ناظم اعلیٰ حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی، نائب مہتمم جناب مولانا قاری عبید الرحمٰن قاسمی، اساتذۂ جامعہ جناب مولانا عبد الواجد ندی، مولانا محمد ادریس ندوی اور شریک افتاء مولوی محمد منور مظاہری مین پوری نے کی، بعد ازاں اول، دوم، سوم پوزیشن لانے والے تمام طلبہ کو خصوصی انعام جبکہ تمام مساہمین کو تشجیعی انعام دیا گیا۔

دُعائے مغفرت

دفتر صدائے حق کو درج ذیل حضرات کے سانحۂ وفات کی خبریں موصول ہوئیں جن کیلئے ایصال ثواب کر کے دعائے مغفرت کی گئی ہے۔

جامعہ محمودیہ میرٹھ کے استاذ جناب مفتی فیضان احمد گورانوی کے والد اور دادی ایک سڑک حادثہ میں جاں بحق ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ جامعہ کے استاذ جناب مولانا نسیم احمد مظاہری نے مذکورہ شہیدوں کی نماز جنازہ وتدفین میں شرکت فرمائی اور اخلاف واہل تعلق سے تعزیتی کلمات کہے۔

حضرت مولانا محمد سلمان مظاہری کی زبانی معلوم ہوا کہ مدرسہ مفتاح العلوم تراج گجرات کے مدرس حدیث مفتی رشید احمد فریدی کی والدہ کا بھی وصال ہوگیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

ماہنامہ صدائے حق کے خریدار اور جامعہ کے معاون جناب کنور قمر الصمد خان و بھائی پرویز علی ایڈوکیٹ کھجناوری کی والدہ محترمہ زہرا خان مختصری علالت کے بعد وفات پاگئیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، انہوں نے اپنے پیچھے اولاد واحفاد سے بھرا ایک وسیع اور تعلیم یافتہ خاندان چھوڑا ہے۔

محلہ غلام اولیاء گنگوہ کے جناب عرفان ملک کے بیٹے محمد ریحان بھی ایک سڑک حادثہ میں وفات پاگئے، وہ جامعہ کے استاذ جناب قاری منور الحسن سہارنپوری سے عزیزداری کا انتساب رکھتے تھے۔

الحاج سیٹھ محمد یوسف براہم پوری دہلی کے فرزند الحاج عبد الحمید بھی رحلت فرماگئے، وہ جامعہ کے مخلص معاون اور قدردان تھے ان کے انتقال کی خبر جامعہ کے اساتذہ جناب مولانا نوشاد احمد وحافظ محمد ایوب صاحبان نے دی ہے، اللہ پاک تمام مرحومین کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق ارزانی فرمائے آمین۔

کل تعداد طلبۂ جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ ۱۴۳۹ھ

شعبۂ افتاء	15	تعداد جونیر ہائی اسکول	125
جماعت دورۂ حدیث شریف	101	تعداد پرائمری	372
جماعت مشکوۃ شریف	81	نعمت الصالحات (گرلز) جونیر ہائی اسکول (محلّہ غلام اولیاء)	221
جماعت مختصر المعانی	40	نعمت الصالحات (گرلز) جونیر ہائی اسکول محلّہ کوٹلہ	228
جماعت شرح جامی	30	شاخ فیضان رشید (متصل مزار حضرت گنگوہیؒ)	196
جماعت کافیہ	39	دار العلوم نانوتہ شاخ جامعہ اشرف العلوم رشیدی	60
جماعت میزان الصرف	43	دار التوحید والسنۃ مقام کلیر شاخ جامعہ اشرف العلوم رشیدی	35
شعبۂ اجراء فارسی	78	کل تعداد مقامی طلبہ	1237
شعبۂ حفظ	226	کل تعداد طلبہ	1900
دار العلوم نانوتہ درجۂ حفظ	10		
کل تعداد بیرونی طلبہ	663	کل تعداد مدرسین وملازمین	100

جامعہ کے اہم فوری منصوبے اور خرچ کا تخمینہ

دار الطعام برائے طلبہ جامعہ ہذا۔	57,00000
جامعہ نعمت الصالحات (گرلز ہائی اسکول) کی تعمیر۔	50,00000

اپیل:

ملت کے دردمند غیور اور مخیّرین حضرات سے مؤدبانہ گذارش ہے کہ وہ ادارہ کے ان تمام منصوبوں کی تکمیل کیلئے ادارہ کی تعمیرات وترقیات میں بھرپور حصہ لیکر عند اللہ ماجور وعند الناس مشکور ہوں اور ادارہ کی حفاظت وترقی کیلئے اپنی مخصوص دعائیں اور توجہات بھی مبذول فرمائیں، جزاکم اللہ خیرا فی الدارین (ادارہ)۔

جہانِ کُتب

رئیسِ جامعہ ونگرانِ اعلیٰ

حضرت مولانا مفتی خالد سیف اللہ نقشبندی دامت برکاتہم کی

بعض اہم تصنیفات

مطبوعہ

(۱)سید المحدثین (۲)تذکرہ اکابر گنگوہ (دوجلدیں)

(۳)تحفۂ مؤمن (۴)فضائل سید المرسلین

(۵)فضیلتِ علم وحکمت (۶)فوائدِ شریفیہ

(۷)تصوف کیا ہے؟ (۸)فضیلتِ تقویٰ

(۹)کیا ذکرِ جہری حرام یا مکروہ ہے؟ (۱۰)راہِ عمل (عربی)

(۱۱)راہِ عمل (اردو) (۱۲)راہِ عمل (انگلش)

(۱۳)خیر الکلام فی مسئلۃ القیام (۱۴)ایمان اور اسکے تقاضے

(۱۵)مکاتیب حضرت شیخ محمد زکریا صاحبؒ (۱۶)عمامہ کی عظمت وافادیت

(۱۷)مکتوبات فقیہ الامت (حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ)

غیر مطبوعہ

(۱۸)فضائلِ دعوت وتبلیغ (۱۹)قبائح تکبر بمحاسن تواضع

(۲۰)خطباتِ خالد (۲۱)سوانح شریف

(۲۲)جامع ترمذی کی شرح (۲۳)الایمان ومتطلباتہ (عربی)

(۲۴)جبالِ علم وعمل (۲۵)تحفۃ المسافرین

(۲۶)قرآن کریم کی سورتوں کا خلاصہ

ناشر مکتبۂ شریفیہ گنگوہ

جامعہ اشرف العلوم رشیدی گنگوہ، سہارنپور یوپی